معارف

جون ۲۰۱۸ء

مجلس دارالمصنّفین کا ماہوار علمی رسالہ

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ

سالانہ زرتعاون

ہندوستان میں سالانہ ۲۸۰؍روپئے۔ فی شمارہ ۲۵؍روپئے۔ رجسٹرڈ ڈاک ۴۸۴؍روپئے

دیگر ممالک میں سادہ ڈاک ۱۶۶۰؍روپئے۔ دیگر ممالک رجسٹرڈ ڈاک ۱۷۸۰؍روپئے

ہندوستان میں ۵ سال کی خریداری صرف ۱۳۰۰؍روپئے میں دستیاب۔

پاکستان میں ماہنامہ معارف کے لئے رابطہ کریں

HAFIZ SAJJAD ELAHI

196 - AHMAD BLOCK, NEW GARDEN TOWN

LAHORE (PUNJAB) PAKISTAN

Tel: 0300 - 4682752, (R) 5863609, (O) 7280916

Email: abdulhadi_133@yahoo.com

سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں۔ بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں۔

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY, AZAMGARH

- زرتعاون ختم ہونے پر تین ماہ کے بعد رسالہ بند کردیا جائے گا۔
- معارف کا زرتعاون وقت مقررہ پر روانہ فرمائیں۔
- خط و کتابت کرتے وقت رسالہ کے لفافے پر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔
- معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔
- کمیشن ۲۵ فیصد ہوگا۔ رقم پیشگی آنی چاہئے۔

Email: shibli_academy@rediffmail.com, info@shibliacademy.org

Website: www.shibliacademy.org

Bank Name: Punjab National Bank - Heerapatti, Azamgarh

Account No: 4761005500000051 - IFSC No: PUNB0476100

✆ (Office Mobile) 09170060782

عبدالمنان ہلالی (جوائنٹ سکریٹری؍منیجر) نے معارف پریس میں چھپوا کر

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی کا علمی ودینی ماہنامہ

معارف

جلد نمبر ۲۰۱ ماہ رمضان المبارک ۱۴۳۹ھ مطابق ماہ جون ۲۰۱۸ء عدد ۶

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی
پوسٹ بکس نمبر: ۱۹
شبلی روڈ، اعظم گڑھ (یوپی)
پن کوڈ: ۲۷۶۰۰۱

فہرست مضامین

شذرات ۴۰۲
اشتیاق احمد ظلی

مقالات

انساب الاشراف میں مدنی روایات سیرت کا جائزہ ۴۰۵
کلیم صفات اصلاحی

دیوان رافت: تعارف وجائزہ ۴۲۹
ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس

مکتوبات کالی داس گپتا رضاؔ بنام حنیف نقوی ۴۳۷
جناب عبدالرازق

سفر، سفرنامہ اور مسافر ۴۶۳
ڈاکٹر راہی فدائی

اخبار علمیہ ۴۷۰
ک، ص اصلاحی

باب التقریظ والانتقاد

پاکستان سے چند جدید علمی مطبوعات۔ ۴ ۴۷۳
ڈاکٹر عارف نوشاہی

ادبیات

نعت ۴۷۸
جناب ابواللیث صدیقی

غزل ۴۷۸
جناب جمیلؔ مانوی

مطبوعات جدیدہ ۴۷۹
ع۔ص

رسید کتب ۴۰۰

شذرات

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اسٹوڈنٹس یونین ۲؍مئی کو سابق نائب صدر جمہوریہ جناب محمد حامد انصاری کو یونین کی لائف ممبر شپ کے اعزاز سے سرفراز کرنے والی تھی۔ یہ یونین کی بہت پرانی اور بڑی باوقار روایت ہے۔ ملک اور بیرون ملک کی ممتاز شخصیات کو اس اعزاز سے نوازا جاتا رہا ہے۔ اس کی تقریب بہت خوبصورت اور پروقار ہوتی ہے۔ خاص طور سے طلبہ کے جوش اور جذبہ کے درمیان معزز مہمان پر پھولوں کی بارش کا منظر دیدنی ہوتا ہے اور یہ یادگار لمحات مہمان کے دل ودماغ پر نقش ہوجاتے ہیں اور وہ اسے اس عظیم دانش گاہ سے محبت اور عقیدت کے رشتہ میں منسلک کردیتے ہیں۔ محترم انصاری صاحب کے سلسلہ میں اس کی نوعیت کسی قدر مختلف تھی۔ یہ تقریب دراصل طلبہ کی طرف سے اس ادارہ کے ایک ممتاز طالب علم، استاد اور ہردل عزیز وائس چانسلر کی خدمات کے اعتراف اور انہیں عقیدت ومحبت کا خراج پیش کرنے کے لیے منعقد کی جارہی تھی۔ ماضی میں جن شخصیات کو اس اعزاز سے نوازا گیا ان میں مہاتما گاندھی، پنڈت جواہر لال نہرو، ڈاکٹر راجندر پرشاد، سی راج گوپال اچاریہ، جے پرکاش نرائن، کے ایم منشی، جدوناتھ سرکار اور ڈاکٹر تاراچند شامل ہیں۔ بیرون ملک کی بھی متعدد اہم شخصیات کو اس اعزاز سے نوازا گیا ہے۔ یونیورسٹی کی تاریخ میں اس کی بڑی اہمیت ہے۔ یونیورسٹی کے لیے ان کی خدمات کے اعتراف میں ۱۹۳۸ء میں یہ اعزاز جناب محمد علی جناح کو دیا گیا۔ اس روایت کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ جن شخصیات کو یہ اعزاز دیا جاتا ہے ان کی تصویر یونین ہال کی زینت بنتی ہے۔ چنانچہ دوسری ممتاز شخصیات کے ساتھ جناح صاحب کی تصویر بھی یونین ہال میں آویزاں ہے۔ یہ یونین کی طویل اور قابل فخر تاریخ کا ایک حصہ ہے۔ یہ ملک کی اس مشترکہ وراثت کی یادگار ہے جب تقسیم نے اسے دولخت نہیں کیا تھا۔ اس کو ابھی تک اسی انداز میں دیکھا اور سمجھا گیا۔ چنانچہ اس پر کبھی کوئی اعتراض نہیں کیا گیا۔

وقت کے ساتھ ساتھ وطنِ عزیز میں بہت کچھ بدل گیا ہے۔ خاص طور سے گذشتہ چار سال کے دوران تبدیلی کی رفتار اتنی تیز رہی ہے کہ ملک کو پہچاننا مشکل ہوگیا ہے۔ یوں بھی مسلم یونیورسٹی ہمیشہ فرقہ پرستوں کے نشانہ پر رہی ہے۔ مسلمانوں کو اس دانش گاہ سے جتنی محبت اور وابستگی ہے اتنا ہی ان نام نہاد وطن پرستوں کو اس سے عناد ہے۔ ملک کی آزادی کے ستر سال بعد ان کو خیال آیا کہ یونیورسٹی میں بانیِ پاکستان کی تصویر کی موجودگی وطن سے محبت کے منافی ہے اور اسے وہاں سے ہٹادینا چاہیے۔ بی جے پی کے مقامی ممبر پارلیمنٹ نے اس سلسلہ میں وائس چانسلر کو ایک خط لکھا۔ اس کے بعد فرقہ پرست طاقتیں اس محاذ پر سرگرم ہوگئیں۔ پھر جو کچھ ہوا آپ اس کی تفصیلات سے واقف ہیں اس لیے اس کو یہاں دہرانے کی چنداں ضرورت نہیں۔ فسادی بابِ سید تک آگئے تھے۔ ان کو روکنے کے لیے جب طلبہ وہاں پہنچے تو پولس نے فسادیوں کے بجائے طلبہ کو شدید تشدد کا نشانہ بنایا۔ بابِ سید اس مہمان خانہ کے

بالکل سامنے ہے جہاں معزز مہمان مقیم تھے۔ سابق نائب صدر جمہوریہ کی موجودگی میں فسادیوں کا وہاں تک پہنچ جانا اس بات کا ثبوت ہے کہ اس سلسلہ میں ضلع انتظامیہ کی نیت صاف نہیں تھی۔ اس تشدد کے نتیجہ میں یونین کے عہدے داروں سمیت بڑی تعداد میں طلبہ شدید طور پر زخمی ہوئے۔ ان حالات میں ظاہر ہے تقریب کا انعقاد ممکن نہیں تھا چنانچہ معزز مہمان دہلی واپس چلے گئے۔ اس ہنگامہ کے پیچھے واضح طور پر دو مقاصد کارفرما تھے۔ پہلا تو یہ کہ جناب حامد انصاری کے اعزاز میں یہ تقریب منعقد نہ ہوسکے۔ وہ مختلف مسائل خاص طور سے ہندوستانی مسلمانوں کے سلسلہ میں جن خیالات کا اظہار کرتے رہے ہیں وہ فرقہ پرستوں کو پسند نہیں۔ اس گرانیِ طبع کے مظاہر بار بار سامنے آتے رہے ہیں۔ دوسرا مقصد ملک کو فرقہ وارانہ بنیادوں پر تقسیم کرنا تھا اور ممکنہ حد تک کرناٹک اور خاص طور سے کیرانہ کے ضمنی الیکشن میں اس سے فائدہ اٹھانا تھا، چنانچہ دونوں جگہوں پر یہ مسئلہ پوری قوت سے اٹھایا گیا۔ پہلے مقصد میں تو وہ کامیاب رہے البتہ دوسرا مقصد حاصل کرنے میں ان کو کامیابی نہیں ملی۔ ملک میں وسیع پیمانہ پر اس موضوع پر بحث ومباحثہ ہوا اور ملک کے روشن خیال طبقات نے اسے ایک غیر ضروری مسئلہ قرار دیا۔ پُرامن اور طویل دھرنا کے دوران ملک کی دوسری جامعات اور سوجھ بوجھ رکھنے والے عناصر کی طرف سے یونین کو جو تعاون ملا وہ غیر معمولی اور نہایت حوصلہ افزا تھا۔ زعفرانی نقطۂ نظر کے حامیوں کی تمام تر کوششوں کے باوجود ملک میں ابھی ایسے لوگ بڑی تعداد میں موجود ہیں جو مسائل پر معروضی انداز میں سوچتے ہیں۔ انہی سے ملک کے مستقبل کی امیدیں وابستہ ہیں۔

تقسیم برصغیر کی تاریخ کا سب سے المناک سانحہ ہے۔ اس کے جلو میں جو تباہی اور بربادی آئی اور اس کے جو اثرات مرتب ہوئے اس کی طویل تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ہے۔ یہ کوئی بلائے آسمانی نہیں تھی اور نہ کسی بیرونی حملہ آور فوج کی ترکتازیوں کا نتیجہ تھی بلکہ ملک کے رہنماؤں کی تخلیق تھی اور اس میں وہ لوگ ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہے تھے جو صدیوں سے ایک ساتھ رہتے سہتے آئے تھے اور ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک رہے تھے۔ انتقال آبادی کے مرحلہ میں جان و مال اور عزت وآبرو کی جو قیمت چکانی پڑی اس کا تصور ہی لرزہ خیز ہے۔ برصغیر کے مسلمانوں کے لیے ایک محفوظ مستقبل کی جستجو ایک حیرتناک فیصلہ پر منتج ہوئی۔ برصغیر کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے مسلمانوں میں سے صرف ان مسلمانوں کا مستقبل پیش نظر رہا جو مسلم اکثریت کے علاقوں میں آباد تھے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے جو راستہ اختیار کیا گیا وہ اس ملک میں رہ جانے والے مسلمانوں کے سلسلہ میں سنگدلی اور یکسر لاتعلقی کا مظہر تھا۔ ہندوستان میں رہ جانے والے مسلمانوں سے خود اپنی موت کے محضر پر دستخط کرنے کی خواہش کی گئی۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ تاریخ کا حصہ ہے۔ تقسیم کے عمل نے برصغیر کے اجتماعی شعور کو اتنی شدت سے مجروح کیا ہے کہ وہ ابھی تک اس کے اثرات سے باہر نہیں نکل سکا ہے۔ ہماری روزمرہ کی زندگی پر اس کے مہیب سائے اب تک محیط ہیں۔ ہندوستانی مسلمان گذشتہ ستر سال سے ناکردہ گناہی کی جو سزا بھگت رہا ہے اس کی زہرہ گداز داستان لوحِ ایام پر ثبت ہے۔ یہ زخم ابھی تک ہرا ہے اور مسلسل رس رہا ہے۔ ان سب کے باوجود ہندوستانی مسلمان اپنے ملی تشخص اور اپنی گراں مایہ مذہبی، علمی اور تہذیبی وراثت کو نہ صرف محفوظ رکھنے میں بڑی حد تک کامیاب رہے ہیں بلکہ مختلف

میدانوں میں قابل لحاظ پیش رفت بھی کی ہے۔اسی قابل فخر وراثت کا ایک نہایت روشن باب علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ہے جو ان کو جان سے زیادہ عزیز ہے۔اس کی حفاظت کے لیے انھوں نے کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کیا ہے۔

تقسیم کے موضوع پر گذشتہ ستر سال میں جو وسیع لٹریچر سامنے آیا ہے اس سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ ملک کے بٹوارے کے لیے تنہا جناب محمد علی جناح ذمہ دار نہیں ہیں۔لیکن اس امر میں بھی شبہہ کی گنجائش نہیں ہے کہ اس سلسلہ میں ان کا کردار غیر معمولی اہمیت کا حامل رہا ہے۔اگر وہ اس منصوبہ کا سرگرم حصہ نہ بنے ہوتے تو شاید ملک تقسیم نہ ہوتا اور برصغیر خون کے اس دریا سے گذرنے سے بچ گیا ہوتا اور ہندوستانی مسلمان اس ابتلا سے دوچار نہ ہوتے۔ چنانچہ جو لوگ ملک کی تقسیم کے لیے ذمہ دار ہیں ان کے سلسلہ میں ہندوستانی مسلمانوں کے جذبات اور خیالات کیا ہو سکتے ہیں اس کے اظہار کی چنداں ضرورت نہیں۔لیکن جو گذر گیا اس کو واپس نہیں لایا جا سکتا۔وہ اب تاریخ کا حصہ ہے۔اس کو نہ مٹایا جا سکتا ہے اور نہ بدلا جا سکتا ہے۔ چنانچہ سمجھداری کا تقاضا یہی ہے کہ اسے قبول کر لیا جائے۔تاریخ کو اپنی مرضی کے مطابق لکھنے کی خواہش نادانی سے زیادہ کچھ نہیں۔سچائی بالآخر ظاہر ہو کر رہتی ہے۔یہ تو ایک امر واقعہ ہے کہ تقسیم کے جاں گداز سانحہ سے پہلے دونوں ملکوں کی تاریخ ایک ہے۔ جناح صاحب بھی اسی مشترکہ تاریخ کا حصہ ہیں اور اسی حیثیت سے ان کی تصویر یونین ہال میں آویزاں ہے۔مطالبہ پاکستان سے پہلے وہ تحریک آزادی کے ایک فعّال اور سرگرم رکن تھے۔مسز سروجنی نائیڈو نے ان کو ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان ایک پل سے تشبیہ دی تھی۔ بدقسمتی سے وہ پل ٹوٹ گیا۔لیکن اس عہد کی یادگار کے طور پر اگر ان کی تصویر یونین ہال میں آویزاں ہے تو اسے وہاں باقی رہنا چاہیے۔ یہ دور اگرچہ مختصر تھا لیکن بڑی اہمیت کا حامل ہے۔مزید براں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ایک دانش گاہ ہے،ایک بہت عظیم دانش گاہ۔دانش گاہوں میں ہر نقطۂ نظر اور زاویۂ نگاہ کو پڑھا اور پڑھایا جاتا ہے اور ان پر بحث و تحقیق ہوتی ہے۔غیر جانب داری،معروضیت اور قلب و نظر کی وسعت ایک اچھی دانش گاہ اور ایک اچھے دانش جو کی پہچان ہے۔یہی اس دانش گاہ کا بھی نشانِ امتیاز ہے۔یہاں وہ تاریخ بھی اسی انداز میں پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے جو ہماری اپنی تاریخ ہے،جس سے ہمارا قلبی اور جذباتی لگاؤ ہے اور جو ہمارے اسلاف کے زریں کارناموں سے منور ہے۔یہاں وہ تاریخ بھی اسی معروضیت سے پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے جس کی یاد سے پرانے زخموں کے ٹانکے ٹوٹ جاتے ہیں،جو ہماری ملی ابتلا اور آزمائش کی داستان پر مشتمل ہے۔ہر قدم پر سینے میں ایک تیر سا پیوست ہوتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔اسی زمرہ میں تقسیم ملک کی تاریخ بھی آتی ہے۔غیر جانب داری اور معروضیت کا دامن نہ وہاں ہاتھ سے چھوٹتا ہے اور نہ یہاں۔ یہ تاریخ کے طالب علم کا فرض ہے۔ چنانچہ اس کے باوجود کہ ہندوستانی مسلمانوں کو جناب محمد علی جناح سے بہت کچھ شکایت ہے،یہ فیصلہ کرنا کہ ان کی تصویر یونین ہال میں رہے یا نہ رہے یہ یونیورسٹی کا اپنا فیصلہ ہوگا۔اس سلسلہ میں اس پر کوئی فیصلہ باہر سے مسلط نہیں کیا جا سکتا۔آزادی کے بعد سے اب تک اس کا فیصلہ یہی رہا ہے کہ یہ تصویر جہاں ۱۹۳۸ء سے آویزاں تھی وہیں باقی رہے گی۔آیندہ اگر وہ کوئی اور فیصلہ کرے تو یہ اس کا اپنا فیصلہ ہوگا۔اس سلسلہ میں کوئی بیرونی مداخلت قابل قبول نہیں ہوگی۔

مقالات

انساب الاشراف میں مدنی روایات سیرت کا جائزہ

کلیم صفات اصلاحی

(۴)

صلح حدیبیہ: صلح حدیبیہ تاریخ اسلام کا نہایت اہم واقعہ ہے بلکہ اس کو اس کی تمام آیندہ کامیابیوں کے دیباچہ کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ بظاہر یہ صلح بہت ہی دب کر کی گئی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو ''فتح مبین'' سے تعبیر کیا ہے۔ تمام مصادر کتب میں اس کا ذکر مفصلاً منقول ہے۔ ابن سعد نے بھی اس کی تفصیلات ۶ صفحوں میں لکھی ہے تاہم عام سیرت نگاروں کے برعکس انہوں نے اس کو ''غزوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحدیبیہ'' کا نام دیا ہے۔ لیکن بلاذری نے اس کا ذکر ''خروج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للعمرۃ'' کے عنوان سے مختصراً کیا ہے۔ لکھتے ہیں آپؐ ذی قعدہ ۶ھ میں عمرہ کے ارادہ سے نکلے، قریش نے آپؐ کو مکہ میں داخل ہونے سے روکا تو آپؐ نے حدیبیہ میں قیام کیا اور قریش کے پاس پیغام بھیجا کہ ہم لڑنے نہیں آئے۔ قربانی کر کے واپس چلے جائیں گے لیکن وہ مانے نہیں۔ انہوں نے سہیل بن عمرو، مکرز بن حفص اور حویطب بن عبدالعزی کو بھیجا کہ وہ آپؐ سے اس سال لوٹ جانے کا مطالبہ کریں اور آیندہ سال آئیں۔ مکہ میں تین دن سے زیادہ قیام کی ان کو اجازت نہ ہوگی۔ چنانچہ آپؐ اور ان کے درمیان معاہدۂ صلح ہوا۔ حضرت علیؓ نے سب سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا تو سہیل نے کہا ہم اس کلمہ سے واقف نہیں۔ ہمارے

دارالمصنّفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ۔

انداز کے مطابق لکھو، "**باسمک اللھم**، حضرت علیؓ نے لکھا "**ھٰذا ما اصطلح علیه محمد رسول اللہ**"۔ سہیل نے کہا کہ "اگر میں آپؐ کو رسول مانتا تو پھر مخالفت کی بات ہی کیا تھی۔ (۳۵۰)

شرائط صلح: بلاذری کے مطابق شرائط صلح یہ تھے:

"اللہ کے نام سے۔ محمد بن عبداللہ اور سہیل بن عمر کے درمیان معاہدۂ صلح ہوا ہے کہ دس سال تک ہتھیار رکھ دیے جائیں۔ لوگ امن سے رہیں۔ ایک دوسرے سے تعرض نہ کریں۔ بایں طور کہ کسی قسم کی چوری یا خیانت نہ کی جائے گی (یعنی معاملہ بالکل صاف ہوگا) ہر شخص کو اختیار حاصل ہے جو چاہے محمد اور جو چاہے قریش کے ساتھ اس معاہدہ میں شامل ہوسکتا ہے۔ جو شخص بغیر ولی کی اجازت سے محمد کے پاس آئے گا تو محمد اس کو اس کے سرپرست کو واپس کردیں گے لیکن اصحاب محمد میں جو قریش کے ساتھ جائے گا اہل قریش واپس نہیں کریں گے۔ اس سال محمد اپنے ساتھیوں کے ہمراہ واپس جائیں گے۔ آیندہ سال اپنے اصحاب کے ساتھ آئیں گے مگر تین دن سے زیادہ ان کو قیام کی اجازت نہ ہوگی اور ان کے ساتھ مسافروں کے ہتھیار ہوں گے اور وہ میانوں میں ہوں گے۔ (۳۵۰)

گواہان معاہدہ: بلاذری کے مطابق آپؐ کی طرف سے حضرت ابوبکر بن ابی قحافہ، عمر بن الخطاب، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، عثمان بن عفان، ابوعبیدہ بن الجراح، محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم اور قریش کی طرف سے حویطب بن عبدالعزی اور مکرز بن حفص گواہ تھے۔ معاہدہ علی بن ابی طالب نے لکھا۔

اس کے دو نسخے تیار کیے گئے۔ ایک آپؐ کے پاس رکھا گیا اور دوسرا سہیل بن عمرو لے گیا (ایضاً) **نسخ الکتاب نسختین فوضعت احداھما عند رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم واخذ الاخری سھیل بن عمرو۔**

کارروائی مکمل ہونے کے بعد اس موقع پر موجود اہل خزاعہ آپؐ کے ساتھ اور بنوبکر قریش کے ساتھ اس معاہدہ میں شامل ہوئے۔ آپؐ نے حدیبیہ ہی میں قربانی کی، حلق کرایا اور آپؐ کے ساتھ صحابۂ کرام نے بھی یہ فریضہ انجام دیا اور آپؐ واپس لوٹ گئے۔ واپسی پر آیت "**اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا**" نازل ہوئی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کا نزول حدیبیہ سے واپسی سے قبل ہوا۔

بیعت رضوان: بیعت رضوان کے متعلق صرف اس قدر لکھا ہے کہ اسی سال ببول کے ہرے

درخت کے نیچے بیعت ہوئی یعنی آپؐ کے ہاتھ پر صحابہ کرام نے جاں نثاری کا عہد لیا (ایضاً) بایعوا علی الموت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس اختصار کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

آگے روایتوں میں شرایط معاہدہ میں وارد الفاظ "اغلال" اور "اسلال" کی واقدی کے حوالہ سے وضاحت، حضرت سلمہ بن الاکوع کا یہ قول کہ ہم نے جاں نثاری کا عہد کیا تھا، اس کے بعد عروہ سے مروی طویل روایت کا وہ حصہ ہے جس میں قریش نے آپؐ سے صرف چار سال ہتھیار رکھنے کا عہد کیا تھا، اس سلسلہ کی آخری روایت مسور بن مخرمہ اور مروان بن الحکم سے یہ مروی ہے کہ آپؐ اگلے سال معاہدہ کی شرایط کے مطابق مکہ تشریف لائے اور تین دن ہی رہے۔ (ص ۳۵۱-۳۵۲)

یہاں بلاذری کی ایجاز پسندی سے کئی اہم واقعات رہ گئے، مثلاً دوران کتابت لفظ "رسول اللہؐ" کو مٹانے کی روایت اور واقعہ ابوجندل اور حضرت عمرؓ کے تیز و تند معروضات جن پر مدت العمر حضرت عمرؓ کو رنج رہا، تعداد صحابہ اور بیعت کے پس منظر میں حضرت عثمانؓ کی شہادت کی جھوٹی خبر وغیرہ۔

غزوۂ خیبر: ابن ہشام (۱) اور ابن سعد (۲) وغیرہ نے اس غزوہ کے مفصل حالات لکھے ہیں۔ بلاذری نے اس ذیل میں بھی اختصار سے کام لیا۔

اس کے اصل سبب کے متعلق وہ خاموش ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ یہ صفر ۷ھ میں ہوا۔ جمادی الاول اور ربیع الاول کی بھی روایت ہے۔ آپؐ نے خیبر کے یہودیوں پر پیش قدمی کی۔ انہوں نے آپؐ کو روکے رکھا، طول دیا اور مسلمانوں سے قتال پر اتر آئے (لیکن محاصرہ میں سختی کے سبب) پھر بعض یہودی جن کے ساتھ ابن ابی الحقیق بھی تھا آپؐ کے پاس آئے اور جنگ بندی کی درخواست کی۔ آپؐ نے ان سے اس پر صلح کی کہ جسموں پر کپڑے کے سوا خیبر کی زمین، سونے، چاندی اور اسلحہ جات سب کچھ چھوڑ کر مسلمانوں کے لیے خالی کر دیں۔ آپؐ نے (انہیں میں سے) بعض مردوں اور زراعت پیشہ افراد) کو (باغبانی اور زمینوں کی دیکھ ریکھ کے لیے) متعین کر دیا۔ اور ان سے پیداوار کے آدھے پر معاملہ کیا اور کہا کہ میں نے یہ فیصلہ اس قاعدہ کے مطابق کیا ہے جو اللہ نے تمہارے لیے مقرر کیا تھا۔ اقرکم ما اقرکم اللہ (ص ۳۵۲) عباس بن مرداس نے حویطب سے شرط لگائی تھی کہ آنحضورؐ کی اس میں ہار ہوگی۔ چنانچہ حویطب نے (جیت کے بعد) اس سے سو اونٹنیاں حاصل کیں۔

آپؐ نے خیبر سے واپسی کے دوران اپنا نمایندہ اہل فدک کی جانب بھیجا۔ وہ آئے، اور نصف آراضی پر مصالحت کی۔ آپؐ نے قبول کیا۔ غزوہ خیبر کی مہم میں آپؐ نے مدینہ میں اپنا جانشین سباع بن عرفطہ کنانی (۳) اور ایک روایت کے مطابق نمیلہ بن عبداللہ کنانی کو مقرر کیا تھا (۳۵۲)۔ ابوہریرہ کی ایک روایت بھی نقل کی ہے جس کے آخر میں ہے کہ آپؐ نے غنیمت میں سے سباع بن عرفطہ کو کچھ نہیں دیا۔ **فلم یقسم لھم من الغنیمۃ شیئا** (ص ۳۵۲)

خیبر کے ماہ وسن وقوع کے سلسلہ میں سیرت نگاروں میں اختلاف ہے، ابن ہشام (۴) محرم اور ابن سعد (۵) نے جمادی الاول ۷ھ، مصنف اصح السیر (۶) اور صاحب سیرۃ النبی نے ابن ہشام کی روایت کو صحیح مانتے ہوئے محرم میں اس کا واقع ہونا قرار دیا ہے۔ علامہ شبلی کا بیان ہے کہ ''اس قدر عموماً مسلم ہے کہ خیبر کا واقعہ محرم میں پیش آیا (۷)۔ لیکن وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ اخیر ۶ھ یا محرم ۷ھ کا واقعہ ہے (۸) محرم کا مہینہ جنگ بندی کا تھا، اس لیے اس موضوع پر قدیم سیرت نگاروں کے بیانات دلچسپ ہیں۔ بلاذری نے تو صفر ۷ھ میں اس کا وقوع تسلیم کیا ہے جیسا کہ سطور بالا میں گذر چکا ہے۔ ان مختلف بیانات پر یہاں بحث کی گنجائش نہیں ہے۔ اس غزوہ میں شریک صحابہ کی تعداد، سامان جنگ، تقسیم غنائم، حضرت علیؓ کی مبارزت، مرحب کا قتل، مرحب کی بھاوج زینب کا کھانے میں زہر ملانا اور حضرت بشرؓ کا زہر سے انتقال اور ان کے قصاص میں اس کا قتل، حضرت صفیہؓ سے شادی کی تفصیل، ایام محاصرہ، کنانہ ابن ابی الحقیق کا قتل وغیرہ جیسے اہم واقعات بھی بلاذری کے ایجاز کی نذر ہو گئے۔

غزوہ وادی القری: خیبر سے واپسی کے بعد جمادی الاخری ۷ھ میں آپؐ نے وادی القری کا رخ کیا۔ مختصر مقابلہ کے بعد اس کو فتح کر لیا۔ اللہ نے اس میں آپؐ کو مال غنیمت سے نوازا۔ (ص ۳۵۳) اس کے بعد عبداللہ بن شقیق کی روایت ہے جس میں بلقیس کے ایک شخص (جس کا نام نہیں دیا ہے) کا بیان ہے کہ اس نے آپؐ سے وادی القری میں ملاقات کر کے پوچھا کہ آپؐ کو کس بات پر مامور کیا گیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ مجھے حکم ملا ہے کہ میں تم سے کہوں کہ تم ایک اللہ کی عبادت کرو، کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ، نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، اس نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ آپؐ نے فرمایا المغضوب علیھم یعنی الیھود، پھر پوچھا یہ کون ہیں الضالون یعنی نصاری۔ اس نے پھر پوچھا غنیمت پر کس کا حق ہے، آپؐ نے فرمایا ایک حصہ اللہ کے لیے اور چار ان لوگوں کے لیے، اس نے پوچھا، کوئی ایسا

بھی ہے جو غنیمت کا زیادہ استحقاق رکھتا ہو، آپؐ نے فرمایا نہیں بس ہر شخص اپنے حصہ تک محدود ہے، یہ الگ بات ہے کہ تم میں سے کوئی اپنے بغل والے سے کچھ لے لے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ مال غنیمت کا زیادہ مستحق ہو گیا۔ (ص ۳۵۳)

عمرہ قضا: بلاذری لکھتے ہیں کہ عمرۃ القضا کو عمرۃ القضیہ بھی کہا جاتا ہے۔ ذی قعدہ ۶ھ میں آپؐ عمرہ کے لیے روانہ ہوئے اور آپؐ کے ساتھ ۶۰ اونٹ تھے۔ آپؐ کے اونٹ کی نگرانی ناجیہ بن جندب اسلمی کے ذمہ تھی۔ مکہ میں تین روز قیام فرمایا، پھر مدینہ واپس ہونے کے لیے نکلے، اسی بیچ مشرکین کہنے لگے کہ آپؐ کے ساتھی بیمار ہو گئے ہیں۔ چنانچہ آپؐ نے طواف میں ان کو اپنی قوت و طاقت کو ظاہر کرنے کا حکم دیا۔ اسی لیے رمل کیا گیا۔ **فامرھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ان تظھروا الجلد و القوۃ فلذلک الرمل** (۳۵۳)

ابن سعد کے ہاں تفصیلات ہیں (۹) لیکن بلاذری نے یہ تفصیلات حذف کر دی ہیں۔

فتح مکہ: فتح مکہ کا ذکر ص ۳۵۳ سے ۳۶۴ تک کل دس صفحات میں کیا ہے اور تقریباً ۲۳ طویل و مختصر بیانات اور دو روایتیں بہ سند تحریر کی ہیں۔ پہلی قدرے مفصل روایت حماد بن سلمہ اور دوسری روایت ابی برزہ سے مروی عبداللہ بن اخطل کے قتل کے سلسلہ میں نقل کی ہے۔ (ص ۳۶۰)

غزوہ کا سبب: ۱۰ر رمضان ۸ھ میں یہ غزوہ ہوا۔ اس کا سبب بتایا کہ آنحضورؐ کے حلیف بنی خزاعہ کے ایک شخص نے قریش کے حلیف بنی کنانہ کے کسی شخص کو آنحضورؐ کی ہجو کرتے ہوئے سنا تو اس پر حملہ کر کے زخمی کر دیا۔ پھر دونوں قبائل باہم لڑ پڑے۔ قریش نے صورت بدل کر ان کی مدد کی تو عمرو بن سالم خزاعی اپنی قوم کے چند لوگوں کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ سے مدد کی درخواست کی اور عبدالمطلب اور ان کے درمیان ہونے والے معاہدہ کو یاد دلایا۔ (ص ۳۵۳)

حاطب بن بلتعہ کا معاملہ: اگلی روایت میں ہے کہ خزاعہ نے آپؐ کو مدد کے لیے آواز دی تو آپؐ غسل کر رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا میں حاضر ہوں۔ **ان خزاعۃ نادوا النبی صلی اللہ علیہ و سلم و ھو یغتسل، فقال: لبیکم** (ایضاً) آپؐ نے اہل مکہ سے جنگ ان کے نقض عہد کے سبب کی۔ حاطب ابن بلتعہ نے صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل اور سہل بن عمرو کو آپؐ کے غزوہ کی اطلاع دے دی اور ایک عورت جس کا نام کنود تھا، دوسری روایت کے مطابق عمرو بن ہاشم کی لونڈی سارہ کو خط

دے کر ان کے پاس بھیجا۔ اس نے خط اپنے سر میں رکھ لیا اور اپنی زلفوں میں اس کو بٹ لیا۔ آپؐ نے (اطلاع پاکر) حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت ابومرثدؓ کو بھیجا، روضہ خاخ میں اس سے ان لوگوں کی ملاقات ہوئی۔ اس کے اونٹ کو روکا، تفتیش کی، معاملہ بڑا دیکھ کر اس نے اپنی چوٹی سے خط نکالا، بعض راویوں سے منقول ہے کہ اس نے سر کے بجائے اپنے نیفہ میں خط چھپایا تھا، **و لکنها جعلته في حجزتها** (ایضاً)۔ آنحضورؐ نے حاطب سے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میرے اہل و عیال ان ہی لوگوں کے پاس تھے (مکہ میں) ان کا کوئی حمایتی نہیں تھا اسی لیے میں نے ان لوگوں کو اطلاع دی (تاکہ اس عمل کے بدلہ وہ میرے عزیز و اقارب کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کریں)۔ رسول اللہؐ نے ان کے اس عذر کو قبول کیا۔ حضرت عمرؓ نے بے تاب ہوکر کہا حاطب نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت کی ہے۔ اجازت دیں تو میں اس کی گردن اڑا دوں، آپؐ نے فرمایا، کیا وہ بدری نہیں ہیں، اصحاب بدر کے متعلق اللہ نے جو ہم کو اطلاع دی ہے ہم اس سے واقف نہیں ہیں۔ اس نے فرمایا ہے کہ تم جو چاہو کرو، تم پر جنت واجب کردی گئی ہے.......۔ (ص ۳۵۴) سارہ مکہ چلی گئی۔ اس کے سلسلہ میں لوگوں کو معلوم تھا کہ وہ مغنیہ ہے، وہاں جا کر آنحضورؐ اور مسلمانوں کی ہجو میں گانا گانے لگی۔ **فاقبلت تتغنی بهجاء رسول الله صلی الله علیه و سلم و المسلمین** (۲۵۴)

مکہ میں داخلہ: مکہ میں جب آپؐ پہنچے تو کچھ لوگوں نے ہتھیار باندھے اور کہا کہ محمد کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے ان سے قتال کیا، خالد پہلے شخص ہیں جن کو آنحضورؐ نے جنگ کا حکم دیا۔ خالد کے علاوہ حضرت زبیرؓ کو بھی آپؐ نے ایک جمعیت کے ہمراہ بھیجا۔ ابوعبیدہ بن جراح کو حسّر کی مہم کا امیر بنایا، وہ مشرکین پر ٹوٹ پڑے، عباس سے آپؐ کی ملاقات ذوالحلیفہ میں ہوئی، جب مکہ کے قصد پر تھے، انہوں نے اپنے اسلام کا اظہار کیا اور ان کو مدینہ کی ہجرت کا حکم ہوا اور فرمایا کہ اے چچا آپ کی ہجرت آخری ہجرت ہوگی جس طرح میری نبوت آخری نبوت ہے، **هجرتک آخر هجرة کما ان نبوتی آخر نبوة**۔ قریش آپؐ سے ڈر گئے۔ انہوں نے ابوسفیان کو حلف کی تجدید اور صلح کی درخواست کے ساتھ آپؐ کی خدمت میں بھیجا، حضرت علیؓ نے ان سے کہا آپ سردار قریش ہیں، ہاتھ پر ہاتھ رکھیے، میں صلح اور معاہدہ کی تجدید کرتا ہوں، **انت سید قریش فاضرب یدا علی ید و اجد**

الحلف و اصلح بين الناس (ص ۳۵۵)، وہ واپس ہوگئے۔ مر الظہران میں مقیم تھے کہ آپؐ کے لوگوں نے ان کو گرفتار کرلیا اور آپؐ کے پاس لائے۔ عباس نے ان کو روکا اور ان کو امان دی، پھر وہ مکہ میں آنحضورؐ کے ساتھ داخل ہوئے۔ جب انہوں نے مسلمانوں کی کثرت تعداد دیکھی تو مشرکین پر آنے والی آفت و مصیبت کا اندازہ کیا اور کہا کہ قریش کے بڑے حصہ کی ہلاکت طے ہے۔ آج کے بعد قریش نہ ہوں گے۔ عباس نے کہا اے اللہ کے رسول ابوسفیان کو قریش پر فخر کرنا محبوب ہے۔ ان کے لیے کچھ ایسا کردیں کہ ان کی پہچان باقی رہے۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا جس نے دروازہ بند کرلیا، جس نے ہتھیار رکھ دیا اور جس نے ابوسفیان کے گھر میں پناہ لی وہ سب مامون و محفوظ ہیں۔ آپؐ نے یہ بھی حکم دیا کہ زخمیوں پر حملہ اور پیچھے رہ جانے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے گا۔ ابوسفیان نے اپنے گھر میں داخل ہونا چاہا تو پیچھے سے کہا اللہ تعالیٰ تمہارا برا کرے تو بہت بُرا وافد (یعنی وفد لے جانے والا) تھا۔ قریش کے ۲۴ اور ایک روایت کے مطابق ۲۳ افراد اور ہذیل کے چار نفر قتل کیے گئے۔ بیشتر بھاگ گئے اور پہاڑ کی چوٹیوں پر چھپ گئے۔ کہا جاتا ہے کہ کرز بن جابر الفہری اور خالد الاشعر اور کلبی کے مطابق حبیش الاشعر نے جس کا تعلق خزاعہ سے تھا جام شہادت نوش کیا (۳۵۵)

بتوں کا انہدام اور حضرت بلالؓ کو حکم اذان: اگلے بیان میں ہے کہ آنحضورؐ مکہ میں داخل ہوئے تو آپؐ کے سر پر سیاہ عمامہ اور کالا جھنڈا تھا۔ آپؐ نے بتوں کو توڑنے اور کعبے کے اندر کی تصویروں کو مٹانے کا حکم دیا۔ حضرت بلالؓ کو ظہر کے وقت کعبہ کی پشت پر چڑھ کر اذان دینے کا حکم ہوا۔ کچھ قریش پہاڑوں کے دامن میں پناہ گزیں تھے، ان میں سے جو طالب امن ہوئے۔ انہیں امان ملی۔ جب ''اشهد ان محمدا رسول الله'' کی صدا بلند ہوئی تو جویریہ بنت ابی جہل نے کہا کہ اللہ نے ابوالحکم کی تکریم کی کہ اس کو کعبہ کی چھت سے نہیق بن ام ہلال کی آواز سننے کا موقع نہیں ملا، لقد اكرمه الله ابا الحكم حين لم يسمع نهيق ابن ام هلال فوق الكعبة (۳۵۶)۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے نام محمد کو بلند کردیا لیکن ہم اس شخص کو کبھی محبوب نہیں رکھ سکتے۔ خالد بن اسید نے کہا کہ اس اللہ کا شکر جس نے میرے والد کی تکریم کی کہ وہ یہ دن نہ دیکھ سکے اور نہ یہ آواز سن سکے۔ حارث بن ہشام نے کہا کہ ہائے افسوس! کاش نہیق ابن ام ہلال کی کعبہ سے آواز سننے سے قبل میری موت ہوگئی ہوتی۔ ليتني مت و لم اسمع نهيق ابن ام هلال على

الکعبۃ (۳۵۶)۔

بعض مجرمین کو قتل کا حکم: سیرت نگاروں کا بالعموم یہ بیان ہے کہ گو آنحضورؐ نے باشندگان مکہ کو عام معافی دے دی تھی، تاہم دس شخص ایسے تھے جن کے متعلق آپؐ نے حکم دیا کہ جہاں ملیں قتل کر دیے جائیں۔ بلاذری بھی لکھتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے چھ مردوں اور چار عورتوں کے قتل کا حکم دیا تھا۔ مردوں میں عکرمہ بن ابی جہل، ہبار بن الاسود، عبداللہ بن سعد بن ابی سرح، مقیس بن صبابہ، حویرث بن نقید اور ابن اخطل اور عورتوں میں ہند بنت عتبہ، سارہ (عمرو بن ہاشم بن مطلب کی لڑکی) اور ہلال بن عبداللہ بن خطل کی لونڈی فرتنا اور ارنب (جس کو قریبہ بھی کہا جاتا ہے) تھیں۔(۳۵۷)

ان کے مختصر اور دلچسپ حالات بھی بیان کیے۔ عکرمہ کے متعلق ہے کہ وہ بھاگ گئے، ان کی بیوی نے اسلام قبول کر لیا۔ آنحضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ یا رسول اللہؐ میرے شوہر آپؐ کے ڈر سے بھاگ گئے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا وہ مامون ہیں، چنانچہ وہ شوہر کی تلاش میں نکلیں۔ ان کے ساتھ ان کا غلام رومی تھا۔ وہ ان پر ڈورے ڈالنے لگا، یہاں تک کہ عرب کے کسی قبیلہ تک پہنچ گئیں۔ ان کو مدد کے لیے پکارا، انہوں نے اس کو رسی سے باندھ دیا۔ عکرمہ کو انہوں نے ساحل پر پالیا، سمندر میں کشتی پر سوار ہوئے ہی تھے کہ بادبان ان سے کہنے لگا کہ پڑھو ''لا الہ الا اللہ'' عکرمہ نے کہا تمہارا برا ہو، میں اسی کلمہ سے تو بھاگ رہا ہوں۔ ان کی بیوی نے کہا کہ اے ابن عم، میں لوگوں میں سب سے زیادہ صلۂ رحمی کرنے والے، سب سے زیادہ بردبار اور سب سے زیادہ شریف و معزز شخص کے پاس سے آپ کے لیے پروانۂ امن لے کر آئی ہوں، جنہوں نے آپ کو معاف کر دیا اور امن عطا کیا ہے۔ سو وہ لوٹ آئے۔ بیوی نے رومی کا واقعہ ان سے بتایا تو انہوں نے اس کو قتل کر دیا۔ ابھی وہ اسلام نہیں لائے تھے۔ پھر جب آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سامنا ہوا تو آپؐ نے خوشی کا اظہار کیا، اسلام لائے۔ نبیؐ سے معافی مانگی آپؐ نے معاف کر دیا۔ عکرمہ نے کہا، بخدا میں اللہ کے دشمنوں سے ضرور جہاد کروں گا۔ پھر انہوں نے اپنے آپ کو ایسا بنا لیا کہ اسلام کی مخالفت میں حالت شرک میں اپنی جو دولت اور کمائی خرچ کرتے تھے اب اسلام کی نصرت و حمایت میں اسی طرح خرچ کرنے لگے (ص ۳۵۷)

و جعل علی نفسہ ان یحصی کل نفقۃ انفقھا فی الشرک فینفق مثلھا فی نصر الاسلام۔

ہبار بن اسود: ہبار بن اسود کے متعلق ہے کہ اس کا شمار ان لوگوں میں سے ہے جنہوں نے مکہ

سے مدینہ ہجرت کے دوران حضرت زینبؓ سے تعرض کیا تھا (۱۰)۔ آپؐ نے اپنے سرایا کو حکم دے دیا تھا کہ وہ جہاں ملے جلا ڈالو لیکن پھر فرمایا کہ آگ کی سزا دینا صرف اس کے خالق کا حق ہے۔ پھر اس کے دونوں ہاتھ پاؤں کاٹ کر اس کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ فتح مکہ کے روز وہ بھاگ گیا، پھر مدینہ میں اور ایک روایت کے مطابق جعرانہ میں جب آپؐ حنین سے فارغ ہوئے ملا۔ اس نے کلمہ پڑھا اور اسلام قبول کر لیا تو حکم ہوا کہ اس سے تعرض نہ کیا جائے، وامر ان لا یعرض له (۳۵۸)۔

عبداللہ بن سرح: عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے متعلق ہے کہ اس نے بظاہر اسلام قبول کر لیا۔ کتابت وحی کا فریضہ بھی آپؐ کے سامنے انجام دینے لگا۔ چنانچہ "الکافرین" کی جگہ "الظالمین" اور "عزیز حکیم" کی جگہ "علیم حکیم" اور اسی طرح اور بھی غلط املا کرتا تھا اور کہتا تھا کہ میں وہی کہتا ہوں جو محمدؐ کہتے ہیں اور وہی لاتا ہوں جو محمدؐ لے کر آتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا .... مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ"۔ پھر وہ مرتد ہو کر مکہ بھاگا۔ آنحضورؐ نے اس کے قتل کا حکم دیا۔ (ص ۳۵۸)

مقیس بن صبابہ: مقیس بن صبابہ کنانی کے بارے میں ہے کہ اس کے بھائی ہاشم بن صبابہ بن حزن نے اسلام قبول کیا۔ مریسیع میں آپؐ کے ساتھ تھے۔ ایک انصاری نے ان کو مشرک خیال کر کے قتل کر دیا تو مقیس نے دیت کا مطالبہ کیا، اس کو دیت دلائی۔ اس نے دیت لی، (بظاہر) اسلام قبول کیا، پھر اپنے بھائی کے قاتل کو قتل کر دیا اور اسلام سے پھر گیا۔ آنحضورؐ نے اس کے قتل کا حکم دیا۔ فتح مکہ کے روز مسلح ہو کر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ نکلا۔ اس کی ماں سہیمہ تھی، لوگ شکست سے دوچار ہوئے تو لوٹا، شراب پی، نمیلہ بن عبداللہ کنانی نے اس کو پہچان لیا، بلایا تو مست و مخمور اس کی طرف گیا اور نمیلہ نے تلوار سے اس کا کام تمام کر دیا۔ (۳۵۹)

حویرث بن نقید: حویرث بن نقید نے آپؐ کے حق میں گستاخانہ اور واہیات باتیں کرتا اور آپؐ کی شان میں ہجویہ اشعار کہتا تھا۔ مکہ میں آپؐ کو بہت اذیتیں پہنچائی تھیں۔ فتح مکہ کے دن گھر چھوڑ کر بھاگ رہا تھا کہ حضرت علیؓ نے دیکھ لیا اور اس کو تہ تیغ کر دیا۔ (ایضاً)

ہلال بن عبداللہ: ہلال بن عبداللہ یعنی ابن اخطل کے متعلق ہے کہ اس نے اسلام قبول کیا۔ مدینہ ہجرت کی۔ آپؐ نے اس کو خزاعہ کے کچھ لوگوں کے ساتھ صدقات کی وصولی کے لیے بھیجا تو اس

نے خزاعی جو اس کی خدمت میں اس کے لیے کھانا پکاتا تھا، ایک دن اس کے لیے کچھ نہیں پکایا تو غصہ میں اس کو قتل کر ڈالا اور کہا کہ محمدؐ اس کے بدلہ مجھ کو قتل کر دیں گے۔ چنانچہ مرتد ہو گیا اور جو کچھ صدقات تھے لے کر مکہ نکل گیا اور اپنے اہل خانہ سے کہا کہ میں نے تمہارے مذہب سے بہتر دین نہیں پایا۔ **لم اجد دینا خیرا من دینکم** (۳۶۰)۔ اس کے پاس دو مغنیہ لونڈیاں تھیں جو آنحضورؐ کی شان میں ہجویہ اشعار گایا کرتی تھیں۔ مشرکین مکہ ان دونوں کے پاس جاتے اور پاس بیٹھ کر مے نوشی کرتے تھے۔ آپؐ نے فتح مکہ کے دن فرمایا کہ اس کو قتل کرو اگر چہ وہ کعبہ کے پردوں میں بھی چھپا ہو۔ چنانچہ ابو برزہ اسلمی جن کا نام نضلہ بن عبداللہ تھا، نے اس کو قتل کر دیا یہ بھی روایت ہے کہ اس کو شریک بن عبدہ نے قتل کیا۔ لیکن بلاذری نے نضلہ کے متعلق لکھا ہے، یہی صحیح ہے۔ (۳۶۰)

اس کے بعد اپنے استاد سے مروی وہ روایت نقل کی جو خود ابو برزہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اس کو "**لا اقسم بھٰذا البلد و انت حل بھٰذا البلد**" کہتے ہوئے سنا۔ میں عبداللہ بن خطل کے پاس گیا، وہ کعبہ کے پردوں کی اوٹ میں تھا، میں نے رکن اور مقام کے درمیان اس کی گردن ماری۔ (ایضاً)

ہند بنت عتبہ: عورتوں میں ہند کے متعلق لکھا ہے کہ انہوں نے اسلام قبول کیا، اپنے گھر کے تمام بت توڑ ڈالے۔ آنحضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، آپؐ نے ان سے بیعت لی۔ آنحضورؐ کو بکری کے دو بچے ہدیۃً دیے اور اپنی بھیڑوں کے متعلق آپ سے قلت دودھ کی شکایت کی۔ آپؐ نے دعا کی تو بہت زیادہ بھیڑیں ہو گئیں، کہا کرتی تھیں کہ یہ آپؐ کی برکت کے سبب ہے۔ اس اللہ کا شکر و احسان ہے کہ جس نے ہمیں اسلام کی ہدایت دی اور اپنے رسولؐ کے ذریعہ ہماری عزت و تکریم بڑھائی۔ جب اپنے گھروں کے بت توڑ رہی تھیں تو کہہ رہی تھیں کہ ہم تمہاری جانب سے بڑے دھوکہ میں تھے۔ **حین ھدمت الاصنام التی کانت فی بیتھا: لقد کنا منکم فی غرور** (ایضاً)

سارہ: سارہ کے متعلق ہے کہ حاطب بن ابی بلتعہ نے اسی کے ذریعہ اہل مکہ کے پاس خط بھیجا تھا۔ یہ نوحہ کرنے والی اور مغنیہ تھی، مکہ سے آئی تھی۔ آپؐ کی خدمت میں شکایت لے کر پہنچی اور کہا کہ میں نے نوحہ اور گانا گانا چھوڑ دیا ہے، پھر مرتد ہو کر مکہ واپس ہو گئی اور آنحضورؐ کی شان میں ہجویہ اشعار گانے لگی۔ حضرت علیؓ نے اس کو قتل کر دیا۔ (ایضاً، ص ۶۱)

ارنب وقریبہ: ابن خطل کی دونوں لونڈیوں میں ارنب جس کو قریبہ بھی کہا جاتا ہے قتل کی گئی، دوسری جس کا نام فرتنا تھا مسلمان ہوئی۔ خلافت عثمانؓ کے عہد تک زندہ رہیں، پسلی ٹوٹنے سے ان کی موت ہوئی۔(ایضاً)

ان روایتوں پر تبصرہ: یہاں اس بات کا ذکر ضروری ہے کہ محدثانہ تنقید کی رو سے یہ روایتیں عدیم الصحہ ہیں۔ صاحب سیرۃ النبی نے ان روایتوں کو درایتی نقطۂ نظر سے جانچنے کے بعد لکھا ہے:

"اگر درایت پر قناعت نہ کی جائے تو روایت کے لحاظ سے بھی یہ واقعہ بالکل ناقابل اعتبار رہ جاتا ہے۔ صحیح بخاری میں صرف ابن خطل کا قتل مذکور ہے اور یہ عموماً مسلم ہے کہ وہ قصاص میں قتل کیا گیا، مقیس کا قتل بھی شرعی قصاص تھا۔ باقی جن لوگوں کی نسبت حکم قتل کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ وہ کسی زمانہ میں آنحضرتؐ کو ستایا کرتے تھے۔ وہ روایتیں صرف ابن اسحاق تک پہنچ کر ختم ہوجاتی ہیں یعنی اصول حدیث کی رو سے وہ روایت منقطع ہے جو قابل اعتبار نہیں"۔(۱۱)

مولانا سید سلیمان ندوی بھی ان روایتوں کو غیر معتبر مانتے ہیں۔ انہوں نے سیرۃ النبی جلد اول کے حاشیہ میں ان روایتوں پر جرح کرتے ہوئے لکھا ہے:

"حافظ مغلطائی نے پندرہ نام مختلف حوالوں سے جمع کیے ہیں جو خود محدثین کے نزدیک غیر محتاطانہ ہیں۔ عام ارباب سیرت نے دس شخصوں کے نام لیے ہیں۔ ابن اسحاق نے آٹھ نام گنائے ہیں، ابوداؤد اور دارقطنی کی روایت میں صرف چھ ہیں، بخاری میں صرف ابن خطل کا واقعہ مذکور ہے۔ اس سے ظاہر ہوگا کہ تحقیق کا دائرہ جس قدر وسیع ہوتا جاتا ہے۔ اسی قدر تعداد کم ہوتی جاتی ہے۔

عام روایت کے رو سے جن دس شخصوں کی سزائے موت کا اعلان کیا گیا تھا۔ ان کا حال یہ ہے کہ وہ شدید مجرم تھے، تاہم سات اشخاص خلوص سے ایمان لائے اور ان کو معافی دے دی گئی۔ صرف چار شخص قتل ہوئے، تین مرد اور ایک عورت۔ عبداللہ بن خطل، مقیس بن صبابہ، حویرث بن نقیذ اور ابن خطل کی لونڈی قریبہ۔ ابن خطل اور ابن صبابہ دونوں خونی مجرم تھے، ابن خطل جو اسلام لا چکا تھا، اپنے ایک

مسلمان خادم کو قتل کر کے مرتد ہو گیا تھا۔ مقیس بن صبابہ کا واقعہ یہ ہے کہ اس کا ایک بھائی ایک انصاری کے ہاتھ سے غلطی سے مارا گیا تھا۔ آنحضرت نے اس کی دیت ادا کر دی تھی، تاہم مقیس منافقانہ اسلام لایا اور غدر سے اس انصاری کو قتل کر دیا اور حویرث نے آنحضرتؐ کی دو صاحب زادیوں کے ساتھ جب وہ ہجرت کر رہی تھیں شرارت کی تھی اور ان دونوں کو اونٹوں سے گرا دینا چاہتا تھا۔ حضرت علیؓ نے اس کو قتل کر دیا"۔(۱۲)

بہر حال سید صاحب نے ان مجرمین کے متعلق جو معلومات بہم پہنچائی ہیں وہ بلاذری کی پیش کردہ تفصیلات میں بھی موجود ہیں۔ البتہ سید صاحب کے بیان کے مطابق سات افراد نے اسلام قبول کیا اور انہیں معافی دی گئی۔ بلاذری نے دس نشان زد مجرمین میں صرف تین اشخاص عکرمہ، ہند بنت عتبہ اور ابن خطل کی لونڈی فرتنا کے قبول اسلام کا ذکر کیا ہے۔

عبداللہ بن امیہ اور ابوسفیان کا قبول اسلام: یہ دونوں آنحضورؐ کے شدید مخالف تھے۔ آپؐ کی تکذیب اور ہجو کرتے تھے، دونوں نیق عقاب میں آپؐ کے پاس آئے، باریابی کی اجازت نہ ملی۔ عبداللہ کے سلسلہ میں ان کی بہن ام سلمہ نے بات کی تو اجازت ملی۔ اسلام قبول کیا۔ غزوۂ طائف میں شہادت پائی۔ ابوسفیان کے سلسلہ میں حضرت عباس نے بات کی تو انہیں بھی باریابی کی اجازت ملی اور انہوں نے بھی بیعت کی۔ (قبول اسلام کے بعد) اپنی غلطیوں پر مسلسل طالب مغفرت اور اسلام کی خیر خواہی میں ہمیشہ کوشاں رہے۔ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں وفات پائی۔ حضرت عمرؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ یہ بھی روایت ہے کہ ابواء میں آپؐ سے ملے اور اسلام قبول کیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ابوسفیان آپؐ کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ حضرت حلیمہ نے کچھ دنوں انہیں بھی دودھ پلایا تھا۔ ان ابا سفیان اخا النبیؐ من الرضاع، ارضعتہ حلیمۃ ایاما (ص ۳۶۱)

اس کے بعد کے بیانات میں آنحضورؐ کا مفتاح کعبہ کو عثمان بن طلحہ کے حوالہ کرنے (ص ۳۶۱)، سہیل بن عمر کا اپنے بیٹے عبداللہ کو آپؐ کی خدمت میں بھیجنے، آپؐ کا ان کو امان دینے اور جعرانہ میں ان کے اسلام قبول کرنے کا ذکر کیا ہے۔ (ص ۳۶۲)

مفرورینِ فتح مکہ: آپؐ کی آمد کی خبر سن کر بعض سردارانِ قریش نے مکہ سے راہ فرار اختیار کی۔

حالانکہ آپؐ نے عام معافی کا اعلان کر دیا تھا۔ بلاذری نے ان مفرورین میں ہبیرہ بن وہب مخزومی، ابن الزبعری، حویطب بن عبدالعزی، صفوان بن امیہ اور حضرت حمزہ کے قاتل وحشی کا تذکرہ کیا ہے۔ ابن الزبعری واپس آئے، اسلام قبول کیا، معاف کیے گئے، انہوں نے کہا کہ اس اللہ کا شکر جس نے تم کو اسلام کی توفیق بخشی۔ ہبیرہ، ابوطالب کی بیٹی ام ہانی کا شوہر تھا، وہ واپس نہیں آیا۔ حالت شرک میں نجران میں اس کی وفات ہوئی۔ مات هبیرہ بنجران مشرکا (۳۶۲)۔

حویطب بن عبدالعزی: حویطب بن عبدالعزی کے متعلق ہے کہ وہ بھی فرار ہوئے۔ ابوذر نے ان کو دیوار کی آڑ میں دیکھا۔ آپؐ کو خبر دی، تو آپؐ نے فرمایا کیا ہم نے تم لوگوں کو سوائے ان کے جن کو ہم نے قتل کا حکم دیا ہے امان نہیں دی ہے۔ چنانچہ انہوں نے یا کسی اور نے ان کو بتایا کہ وہ مامون ہیں (ایضاً)۔ اس کے بعد حویطب، مروان بن حکم کے یہاں جب مدینہ کے گورنر تھے گئے تو اس نے ان سے اسلام قبول کرنے میں تاخیر کی وجہ پوچھی تو انہوں نے جواب دیا کہ بخدا میں نے کئی بار ارادہ کیا لیکن تیرے والد مجھے روک دیتے تھے۔ قد واللہ هممت به غیر مرة فکان ابوک یصدنی عنه (ایضاً)۔

صفوان بن امیہ: صفوان بن امیہ کے بارے میں ہے کہ ان کے متعلق عمیر بن وہب نے آپؐ سے گفتگو کی اور کہا کہ میرے قبیلہ کے سردار خوف کے سبب فرار ہو گئے ہیں۔ آپؐ نے ان کو پروانۂ امن عطا کیا۔ چنانچہ وہ ان سے ملے، ان کو امان کے متعلق بتایا، ان کو یقین نہیں آیا تو آپؐ نے ایک چادر (۱۳) عمیر کے ساتھ بھیجی تو وہ مطمئن ہوئے اور عمیر کے ساتھ واپس ہوئے۔ کفر کی حالت میں تھے اور آنحضورؐ کو سوزرہ پورے ساز و سامان کے ساتھ مستعار دیا تھا۔ حنین اور طائف میں وہ آپؐ کے ساتھ حاضر تھے، بہت سا مال غنیمت دیکھا، غنیمت کی طرف (حسرت سے) دیکھ رہے تھے کہ آپؐ نے فرمایا صفوان! کیا تم کو اچھا لگ رہا ہے؟ انہوں نے کہا جی، آپؐ نے کہا یہ سب تمہارے لیے ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ بخدا اس سے صرف نبی کا نفس ہی پاک ہو سکتا ہے۔ واللہ ما طابت بها الا نفس نبی۔ اسلام قبول کیا، مکہ میں اقامت اختیار کی، ان سے کہا گیا کہ اسلام اس کے لیے نہیں ہے جس نے ہجرت نہیں کی۔ مدینہ آئے تو آپؐ نے فرمایا کہ اے ابووہب جب تم مکہ لوٹے تھے تو میری خواہش تمہارے بارے میں یہی تھی (یعنی یہ کہ تم مکہ ہی میں رہو)۔ وہ واپس آ گئے اور جنگ جمل میں

بصرہ خروج کے وقت انتقال ہوا۔(۲۶۳)

صحابہ کو تقویت پہنچانے کے لیے آپ کا قرض لینا: آپؐ نے عبداللہ بن ابی ربیعہ سے چالیس ہزار، صفوان سے پچاس ہزار، حویطب بن عبدالعزی سے ۴۰ ہزار درہم قرض لیا تھا۔ جب اللہ نے ہوازن پر فتح بخشی اور مال غنیمت حاصل ہوا تو آپؐ نے ان کا قرض چکا دیا۔ یہ قرض آپؐ نے صحابۂ کرام کو تقویت پہنچنے کی غرض سے لیا تھا۔ **انما استقرضها ليقوی بها اصحابه**۔(۳۶۳)

اس کے بعد کے بیانات میں بلاذری نے حضرت حمزہؓ کے قاتل وحشی کے طائف بھاگ جانے، پھر آنحضورؐ کی خدمت میں ایک وفد کے ساتھ حاضر ہونے اور قبول اسلام کا ذکر کیا ہے۔ آپؐ نے اس سے پوچھا کہ تم نے حمزہ کا قتل کیسے کیا تھا، تو اس نے بتایا، آپؐ نے فرمایا کہ مجھ سے اپنا چہرہ چھپالیا کرو (یعنی میرے سامنے مت آیا کرو) **غيّب عني وجهك** (ایضاً)۔ اس کے بعد حارث بن ہشام کے قبول اسلام اور مکہ میں ان کے قیام کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ آنحضورؐ کی وفات اور حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کے وقت وہ مکہ ہی میں تھے، جب حضرت ابوبکرؓ نے روم سے جنگ کے لیے لوگوں کو جمع کیا تو وہ اور سہیل بن عمر اور عکرمہ بن ابی جہل بھی روانہ ہوئے۔ ان لوگوں نے جنگ کی اجازت طلب کی تو حضرت ابوبکرؓ نے ان کو اجازت دے دی۔ وہ شام نکل گئے، عکرمہ اجنادین میں شہید ہوئے، سہیل اور حارث نے عمواس کے طاعون میں وفات پائی (ایضاً)۔ اس کے بعد انس بن زنیم یعنی ابوایاس اور اس کے ہم نام بیٹوں کی ہجو اور آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی مانگنے اور آپ کا ان کو معاف کرنے کا ذکر ہے۔(ایضاً)

خطبۂ فتح مکہ کا ایک ٹکڑا: سیرت نگاروں نے خطبۂ فتح مکہ کو بڑی اہمیت دی ہے اور اس کو مفصل و مختصر مصادر سیرت میں نقل بھی کیا ہے۔ بلاذری نے صرف اتنا لکھا ہے کہ آپؐ نے فتح مکہ کے دن فرمایا "دوستو! ہر قرض، مال، دم، بدلہ جو عہد جاہلیت میں (کسی کا کسی کے ذمہ) تھا میرے قدموں کے نیچے ہے (یعنی وہ سب یکلخت ختم یا کالعدم کیے جاتے ہیں) سوائے حفاظت کعبہ اور سقایت حجاج کے۔ پہلا خوں بہا یعنی دم ابن ربیعہ (میں معاف کرتا ہوں)"۔ آگے لکھتے ہیں۔ حذیفہ بن انس ہذلی شاعر عدی بن دئل کے ارادہ سے اپنی قوم کو لے کر نکلا تو معلوم ہوا کہ وہ وہاں سے کوچ کر چکے ہیں، جہاں ان کو ملاقات کی توقع تھی۔ چنانچہ بنو سعد نے ان کو مہمان بنایا، تو انہوں نے (کسی وجہ سے) بنی

سعد ہی پر حملہ کر دیا۔ آدم بن ربیعہ نے کبھی ان ہی کے اندر دودھ پیا تھا اور وہیں ان کا بچپن گذرا تھا۔ چنانچہ ان کا قتل ہو گیا۔ آپؐ نے فتح مکہ کے روز ان کا خوں بہا چھوڑ دیا (ص ۳۶۴)۔ **فوضع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دمہ یوالفتح۔**

مکہ سے واپسی اور عتاب کو جانشین بنایا: عبداللہ بن مکتوم اور ایک روایت کے مطابق ابورھم کو مدینہ میں اپنا جانشین مقرر کیا تھا۔ مکہ میں اسلام پھیل گیا۔ لوگوں نے اپنے بت توڑ ڈالے، آپؐ نے مکہ کے آس پاس جو بت تھے توڑنے کا حکم دیا۔ کچھ دن مکہ میں رہے، پھر یہیں سے حنین کے ارادہ سے نکلے، عتاب بن اسید بن ابی العیص کو جانشین مقرر کیا۔ عبداللہ بن امیہ نے فتح مکہ کے دن اسلام قبول کیا۔ (ایضاً)

مکہ میں مدت قیام اور روانگی: اس کے بعد غزوۂ حنین کے تذکرہ میں شروع میں راویوں کا بیان نقل کیا ہے کہ آپؐ ۱۸/رمضان ۸ھ میں مکہ تشریف لائے۔ ۱۲/شب وہاں قیام کیا عین عیدالفطر کی صبح حنین کے ارادہ سے نکلے (ص ۳۶۴)۔ (۱۴)

غزوۂ حنین: بلاذری لکھتے ہیں کہ حنین تہامہ کی وادیوں میں سے ایک وادی کا نام ہے۔ ہوازن کے اشراف میں ابن منصور اور ان کے علاوہ قیس اس بات سے سہمے ہوئے اکٹھا ہوئے کہ آپؐ ان پر حملہ کے لیے آرہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ آپؐ ہر طرف سے ہمارے لیے فارغ ہو چکے ہیں اور ہم تک پہنچنے کے لیے کوئی چیز رکاوٹ نہیں ہے۔ رائے ہوئی کہ ہم آپ سے لڑیں گے۔ **قالوا: قد فرغ لنا فلانا ھیۃ لہ دوننا والرأی ان نغزوہ۔** (۳۶۴) مالک ابن عوف کی قیادت میں چلے، اوطاس پہنچے۔ آپؐ کو خبر ہوئی تو آپؐ نے مکہ پر عتاب بن اسید کو عامل اور معاذ بن جبل کو سنن کی تعلیم اور ابن ام مکتوب اور ابورھم کو عامل مقرر کیا۔ آپؐ ۱۲/ہزار صحابۂ کرام کے ساتھ نکلے۔ حضرت ابوبکرؓ یا کسی اور نے کہا کہ آج کے دن ہم تعداد میں کم نہیں ہیں (یعنی ہم پر کسی کا قابو پانا مشکل ہے) تو اللہ نے یہ آیت نازل کی وَيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا..... مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان سخت قتال ہوا۔ مسلمان بکھر گئے۔ صرف سو مسلمان آپؐ کے ساتھ رہے، جن میں حضرت عباس بن عبدالمطلب، ابوسفیان، حضرت علی، حضرت عمر اور ایمن بن عبید رضی اللہ عنہم وغیرہ تھے۔ پھر انصار (مدد کے لیے) کودے اور لوگ بھی آگے آگئے تو اللہ نے مشرکین کو شکست دی۔

اور مسلمانوں نے دشمنوں کو قتل اور قید کیا۔ رسولؐ کے ساتھ ثابت قدم رہنے والوں میں مذکورہ لوگوں کے علاوہ بلاذری نے عقیل بن ابی طالب، زبیر، عبداللہ بن زبیر اور اسامہ رضی اللہ عنہم کا نام بھی لیا ہے (۳۶۵)۔ آپؐ نے ہوازن کے بیشتر قیدیوں کو جعرانہ بھیج دیا۔ بدیل بن ورقاء خزاعی کو قیدیوں کی ذمہ داری دی۔ ابو عامر اشعری کو کفار کا پیچھا کرنے کے لیے اوطاس بھیجا، سلمہ بن سماویر جشمی نے ان کو شہید کر دیا۔ ابن الکلبی کے مطابق یہ ذمہ داری ابوموسی اشعری کو ملی تھی۔ مسلمان اوطاس کی طرف بڑھے تو وہ (کفار) طائف کی طرف بھاگے۔ **فقام بامر الناس ابو موسی اشعری و اقبل المسلمون الی او طاس فھربوا منھم الی الطائف** (ایضاً)۔

درید بن الصمہ کے ہاتھوں ابو عامر کا قتل: اس کے بعد عبدالرحمٰن اشعری سے ایک روایت نقل کی ہے کہ جب اللہ نے ہوازن کو حنین کے دن شکست دی تو آپؐ نے تھوڑی سی فوج ابو عامر کے زیر قیادت بھیجی۔ میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ اتنے میں درید کی فوج آ گئی۔ درید نے ان کو شہید کر دیا اور جھنڈا ہاتھ میں لے لیا۔ چنانچہ میں نے درید پر حملہ کر کے اس کو قتل کر دیا اور علم اس کے ہاتھ سے چھین لیا اور واپس ہو گیا، جب آپؐ نے مجھے دیکھا تو فرمایا، کیا ابو عامر قتل ہو گئے؟ میں نے کہا ہاں۔ آپؐ نے ابو عامر کے لیے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی۔ (۳۶۶)

شیبہ بن عثمان عبدری کا واقعہ: بلاذری نے اسی روایت کے اگلے حصہ میں لکھا ہے کہ شیبہ مسلمانوں کے شدید مخالف تھے، بعد میں مسلمان ہوئے۔ ہوازن اس مقصد سے گئے تھے کہ دھوکہ سے آپؐ کا کام تمام کر دیں گے۔ انہوں نے کہا میں جب آپؐ سے قریب ہوتا تو لوگ آپؐ کو گھیر لیتے، آپؐ کی نظر مجھ پر پڑی تو بلایا۔ آپؐ کے پاس گیا تو آپؐ نے میرے سینہ پر اپنا ہاتھ پھیرا اور میرے لیے دعا کی۔ تو اللہ نے ہر قسم کا بغض و کینہ جو اس میں تھا مٹا دیا اور اس کو ایمان سے بھر دیا۔ اور آپؐ میرے نزدیک سب سے محبوب ہو گئے (ایضاً)۔ **فاذھب اللہ کل غل کان فیہ و ملأہ ایمانا و صار احب الناس الیّ**۔

غزوۂ طائف اور اس میں پہلی بار منجنیق کا استعمال اور مال غنیمت کا حکم: بلاذری لکھتے ہیں کہ آپؐ طائف تشریف لے گئے اور منجنیق نصب کرائی جس کو حضرت سلمان فارسیؓ نے بنایا تھا (۳۶۶)۔ **فنصب علیھا منجنیقا اتخذھا سلمان الفارسی**۔ مسلمانوں کے پاس قلعہ شکن آلہ یعنی دبابہ

بھی تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کو خالد بن سعید جُرش سے لے کر آئے تھے۔ پندرہ روز (۱۵) آپ ؐ نے محاصرہ کیا، اہل قلعہ نے دبابہ پر لوہے کی گرم سلاخیں برسائیں۔ جس کے سبب دبابہ جل گیا اور اس کے نیچے مسلمان زخمی ہو گئے۔ محاصرہ چھوڑ کر آپ ؐ جعرانہ تشریف لائے۔ غنائم اور قیدیوں کو تقسیم کیا اور آپ ؐ نے فرمایا "سوئی اور دھاگہ واپس کردو"، مال غنیمت میں (کسی طرح کی) خیانت سے بچو! اس لیے کہ یہ روز قیامت شرم، آگ اور بے حیائی و ذلت کا باعث بنے گی۔ پھر آپ ؐ نے ایک کوئی معمولی چیز (جو خرگوش وغیرہ کے بال سے بنی ہوئی تھی) اپنے ہاتھ میں لی اور فرمایا اللہ نے جو مال فے تم کو دیا ہے اس میں سے سوائے خمس کے یہ معمولی شئی بھی میرے لیے جائز نہیں اور جو خمس (مجھے ملتا ہے) ہے وہ بھی میں تمھیں ہی لوٹا دیتا ہوں۔ **ما یحل لی مما افاء اللہ علیکم مثل ھٰذہ الوبرۃ الا الخمس والخمس مردود فیکم**۔ (ایضاً)

طائف کے ایک وفد کا طلب امان اور اسلام قبول کرنا: بلاذری کے مطابق اہل طائف نے آپ ؐ کے پاس اپنا ایک وفد جن میں عثمان بن العاص ثقفی بھی تھے رمضان ۹ھ میں بھیجا۔ انہوں نے آپ ؐ سے درخواست کی کہ آپ ؐ ان کے لیے ایک مکتوب تحریر فرمادیں جس میں مضمون یہ ہو کہ جو مال و اسباب اور ذخیرہ وغیرہ ان کے پاس ہے وہ ان ہی کے قبضہ میں رہے گا۔ چنانچہ آپ ؐ نے (ان کی خواہش کے مطابق) ایسا کردیا، (آپ ؐ کے اس حسن اخلاق سے متاثر ہو کر) انہوں نے اسلام قبول کرلیا (ایضاً)۔ مدینہ میں آپ ؐ کے جانشین ابن ام مکتوم یا ابورھم تھے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ مالک ابن عوف طائف کے قلعہ سے نیچے اترے۔ آپ ؐ کی مدح و توصیف میں اشعار پڑھے اور اسلام قبول کرلیا تو آپ ؐ نے بھی ان کی اس معمولی خدمت کے نتیجہ میں ان کے اہل خانہ کو ان کے حوالہ کردیا اور ان کو ان کی قوم اور طائف کے آس پاس سے جو لوگ اسلام لائے تھے، ان کا عامل مقرر کردیا۔ **فوھب لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اھل بیتہ واستعملہ علی من اسلم من قومہ ومن حول الطائف**۔ (۳۶۷)

اس ذیل میں تین روایتیں بہ سند نقل کی ہیں۔ امام مالک سے مروی ہے جس میں ان کے اقارب پر آپ ؐ کے احسان کا ذکر ہے جن کو حضرت حلیمہؓ نے دودھ پلایا تھا، دوسری روایت مکحول سے ہے جس میں طائف کے قلعہ میں آپ ؐ کے منجنیق نصب کرنے کا ذکر ہے اور تیسری مسلم بن یسار کی ہے،

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ منجنیق کا مشورہ حضرت سلمان فارسیؓ کا تھا۔ آپؐ نے اس فن کو سیکھنے کا صحابہ کو حکم دیا تھا۔ آگے راویوں کا بیان نقل کیا ہے کہ ابواحیحہ ،سعید بن العاص بن امیہ کا انتقال طائف میں ۸ھ میں اور ایک روایت کے مطابق ہجرت کے پہلے سال ہوا۔ غزوۂ طائف میں آپؐ نے ابواحیحہ کی قبر کو قریب سے دیکھا تو ابوبکرؓ نے کہا اللہ تعالیٰ اس صاحب قبر پر لعنت کرے۔ اس لیے کہ یہ ان میں سے تھا جو اللہ اور اس کے رسول کی دشمنی میں پیش پیش رہتے تھے۔ اس کے دونوں بیٹوں عمرو اور ابان بھی آپؐ کے ساتھ تھے۔ انہوں نے کہا کہ اللہ ابوقحافہ پر لعنت بھیجے جو مہمانوں کی تکریم نہیں کرتا اور نہ ہی ظلم سے روکتا تھا۔ **فانه لا یقری الضیف و لا یمنع الضیم** (۳۶۸)۔ آپؐ نے فرمایا مردوں کو گالی دینا زندوں کو تکلیف دیتا ہے چنانچہ جب تم کسی کو برا بھلا کہنے کی ضرورت پیش ہی آجائے تو اس کو (خاص کے بجائے) عام کردیا کرو۔ **سب الاموات یؤذی الاحیاء فاذا سببتم فعموا** (ایضاً)۔ تاہم کتب حدیث میں ''**فاذا سببتم فعموا**'' کے الفاظ تلاش بسیار کے باوجود نہ مل سکے۔

اس روایت پر تبصرہ: بلاذری نے محاصرۂ طائف کی تفصیلات کے لیے اجمال کا اسلوب اپنایا ہے اور بیچ بیچ میں ایسے ایسے جملے لکھ دیے ہیں جن کی تفصیل اگر ذہن میں نہ رہے تو واقعات کی ترتیب میں ابہام کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔ مثال کے طور پر روایت بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل قلعہ نے دبابہ پر گرم سلاخوں کی بارش کی، مسلمان زخمی ہوگئے۔ اسی کے معاً بعد یہ لکھ دیا ہے کہ آپؐ غنائم کی تقسیم کے لیے جعرانہ چلے گئے۔ ایسا لگتا ہے کہ جیسے آپؐ نے اس حملہ سے گھبرا کر محاصرہ توڑ دیا اور جعرانہ واپس چلے گئے، جبکہ ایسا نہیں ہے۔ محاصرہ طویل ہوا تو آپؐ نے نوفل بن معاویہ سے مشورہ کیا، انہوں نے کہا کہ لومڑی بھٹ میں گھس گئی ہے، اگر کوشش جاری رہے تو پکڑ لی جائے گی لیکن چھوڑ دی جائے تو کچھ اندیشہ نہیں (۱۶)۔ اس ضمن میں یہ تفصیل ضروری تھی۔

دوسرے اس روایت کا سب سے زیادہ قابل توجہ پہلو یہ ہے کہ اس غزوہ میں سب سے پہلے منجنیق اور دبابہ کا استعمال کیا گیا، اکثر مصادر سیرت ابن ہشام، ابن سعد اور طبری وغیرہ میں اس کی تفصیلات پائی جاتی ہیں کہ اس غزوہ میں آپؐ نے منجنیق اور دبابہ کا استعمال کیا۔ علامہ شبلی نے بھی ابن سعد وغیرہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ''یہ پہلا موقع ہے کہ قلعہ شکن آلات یعنی دبابہ اور منجنیق استعمال کیے گئے''۔ (۱۷)

سوال یہ ہے کہ مصادر سیرت سے ہٹ کر کتب احادیث بالخصوص صحاح ستہ میں غزوات نبویؐ کی جو تفصیلات موجود ہیں اور جن میں تقریباً وہ تمام اہم واقعات جو پہلی بار پیش آتے تھے روایتوں کا حصہ ہوتے تھے۔ طائف میں اس قدر اہم یعنی تاریخ اسلام میں پہلی بار جہاد کے دوران کسی اہم ٹیکنک کا استعمال کیا جارہا ہے۔ محدثین نے غزوۂ طائف کی تفصیلات میں کوئی حدیث نقل نہیں کی جن سے اس غزوہ میں منجنیق ودبابہ کے استعمال کا پتہ چلے۔ اس کے علاوہ اس ضمن میں یہ سوال بھی اہم ہے کہ جب اس قدر زور آور ہتھیار آپؐ کے پاس موجود تھا تو اس کے بعد دوسرے غزوات میں اس کے استعمال کا ذکر کیوں نہیں ہے اور نہ ہی دبابہ اور منجنیق کی حفاظت ونگرانی کی تفصیل ہی مصادر سیرت میں ملتی ہے۔ کیا اس کے بعد آپؐ نے اس کے استعمال پر پابندی لگادی۔ ظاہر ہے اگر آپؐ نے استعمال کیا ہوتا تو کسی نہ کسی غزوہ کی تفصیلات میں اس کا ذکر ضرور ہوتا۔ سوائے ترمذی کی ایک روایت کے جو ابواب **الادب عن رسول اللہ باب ماجاء فی الاخذ من اللحیاء** کے تحت آئی ہے۔ اس روایت (۱۸) کے مطابق اہل طائف پر آپؐ نے منجنیق نصب کرائی، اس روایت میں عمر بن ہارون نامی راوی کے متعلق ہے کہ وہ مقارب الحدیث تھے اور ایسی کوئی حدیث نہیں بیان کرتے تھے جس کی کوئی اصل نہ ہو۔ مگر اس حدیث میں وہ منفرد ہیں۔ (۱۹)

مختصر یہ کہ جس طرح عمر بن ہارون سے مروی اخذ لحیہ والی حدیث پر کلام کیا گیا ہے اسی طرح نصب منجنیق والی حدیث بھی محدثین کے نزدیک بہت مستند نہیں ہے۔ اس لیے یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ صحاح ستہ کی مستند روایتوں سے غزوۂ طائف میں آپؐ کا منجنیق اور دبابہ کا استعمال ثابت نہیں ہے۔

لہٰذا آپؐ کی جانب اس کا انتساب درست نہیں۔ یہاں یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ آپؐ نے جو جنگیں لڑی ہیں اس کے پیچھے نصرت خداوندی اصل تھی۔ نہ کہ ان ظاہری اور مادی وسائل پر انحصار جو ذات رحمت یہ تاکید کرے کہ جنگوں میں بچے، بوڑھے اور عورتوں حتی کہ فصلوں پر ہاتھ نہ ڈالا جائے (۲۰)۔ تو وہ کسی ایسے ہتھیار کے استعمال کی اجازت کیوں کردے سکتی ہے جس سے قصوروار کے ساتھ ساتھ بے قصوروں کی جان کے بھی لالے پڑ جائیں۔ اس قسم کی روایتوں کا درایتی نقطۂ نظر سے مطالعہ کرنا ضروری ہے۔

غزوۂ تبوک: اس غزوہ کے متعلق بلاذری کا مختصراً بیان ہے کہ یہ رجب ۹ھ میں ہوا۔اس کا سبب یہ ہوا کہ ہرقل اور لخم، جذام اور عاملہ وغیرہ قبائل نے باہم مجتمع ہوکر آپؐ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ آپؐ مقابلہ کے لیے نکلے،تو وہ خوف زدہ ہوکر بھاگے اور جنگ کی نوبت نہیں آئی۔اس غزوہ کو''غزوۂ عسرت'' کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، اس لیے کہ (قحط سالی کے سبب مسلمان بہت تنگ دست تھے۔حضرت عثمانؓ نے مسلمانوں کا ایک تہائی یعنی ستّر ہزار درہم دیا۔اس سے زیادہ کی بھی روایت ہے۔حضرت ابوبکرؓ نے اپنا سارا مال، ۴ ہزار درہم دیا، بقیہ مسلمانوں کی طرف سے تیس ہزار درہم اکٹھا ہوئے۔ ۱۲ر ہزار اونٹ اور ۱۰ ہزار گھوڑے بھی تھے۔اور مصادر سیرت سے ہٹ کر بلاذری نے لکھا ہے کہ آپؐ نے اپنی غیر موجودگی میں مدینہ میں اپنا جانشین حضرت ابن ام مکتوم کو مقرر کیا۔محمد بن سلمہ انصاری یا ابورہم یا پھر سباع بن عرفطہ کو بھی مدینہ میں آپؐ کی جانشینی کا شرف حاصل ہونے کی روایت نقل کی ہے(ص ۳۶۸)۔بخاری (۲۱) اور سیرت ابن ہشام (۲۲) میں ہے کہ اس غزوہ میں مدینہ میں آپؐ کی جانشینی حضرت علیؓ کے ذمہ تھی۔جب حضرت علیؓ نے شکایت کی کہ'' آپ مجھ کو بچوں اور عورتوں میں چھوڑ جاتے ہیں''؟ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ'' تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم کو مجھ سے وہ نسبت ہو جو ہارون کو موسیٰ کے ساتھ تھی۔ **فاخلفنی فی اھلی و اھلک فلا ترضی یا علی ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسی۔**

عام مصادر سیرت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کی زندگی کا یہ آخری غزوہ تھا۔اس غزوہ کا تذکرہ جس اہتمام سے ہونا چاہیے تھا بلاذری نے اس کا لحاظ نہیں رکھا اور بہت سے غزوات کی طرح اس غزوہ کی بعض اہم تفصیلات نہیں پیش کیں۔

مثال کے طور پر ابن ہشام، ابن سعد اور خود قرآن مجید سے ثابت ہے کہ اس غزوہ میں منافقین خود مقابلہ سے جی چراتے تھے اور دوسروں کو بھی منع کرتے تھے۔سویلم نامی یہودی کے گھر پر منافقین اکٹھا ہوتے اور لوگوں کو لڑائی پر جانے سے روکتے تھے (۲۳)۔ **ان ناسا من المنافقین یجتمعون فی بیت سویلم الیھودی، یثبطون الناس عن رسول اللہ فی غزوۃ تبوک۔** بلاذری نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔آپؐ نے تمام قبائل عرب سے فوجی اور مالی امداد طلب کی، جس میں اکثر صحابہ نے بڑی بڑی رقمیں دیں جس کا ذکر سطور بالا میں بلاذری کے حوالہ سے نقل ہوا ہے لیکن

بلاذری نے اس واقعہ کے ذیل میں ان سات مسلمانوں کا ذکر نہیں کیا جو سامان سفر نہ ہونے کے سبب اس غزوہ میں شریک نہ ہوسکے۔آپؐ نے بھی سواری کی معذرت کی، وہ روتے ہوئے واپس ہوئے۔ آنحضورؐ نے ان پر ترحم فرمایا۔ان ہی کی شان میں درج ذیل قرآن مجید کی یہ آیتیں نازل ہوئیں، ابن سعد لکھتے ہیں: وجاء البکاؤن وھم سبعة یستحملو نه فقال ''لَا اَجِدُ مَا اَحۡمِلُکُمۡ عَلَیۡهِ تَوَلَّوۡا وَاَعۡیُنُهُمۡ تَفِیۡضُ مِنَ الدَّمۡعِ حَزَنًا اَلَّا یَجِدُوۡا مَا یُنۡفِقُوۡنَ (توبہ ۹:۹۲)۔ابن سعد نے ان کے نام بھی لکھے ہیں سالم بن عمیر، ہرمی بن عمیر، علبہ بن زید، ابولیلی المازنی، عمرو بن عتمہ، سلمہ بن صخر، عرباض بن ساریہ (۲۴)۔اسی طرح تبوک میں آپؐ کی مدت قیام کا ذکر نہیں کیا ہے۔بخاری میں ہے کہ رئیس غسان نے حضرت کعب بن مالک کو جو اس وقت معتوب نبویؐ تھے لکھا تھا کہ محمدؐ نے تمہاری قدر نہ کی آؤ میں تمہاری شان کے مطابق تم سے معاملہ کروں گا۔حضرت کعب نے اس خط کو تنور میں ڈال دیا (۲۵)۔یا پھر اس غزوہ سے واپسی پر اہل مدینہ نے آپؐ کا پُرجوش استقبال کیا تھا اور خواتین گھروں سے نکل پڑیں (۲۶)۔مسجد ضرار کا فتنہ بھی غزوۂ تبوک کے دوران کا مشہور واقعہ ہے۔بلاذری کے یہاں اس غزوہ کی تفصیلات میں مذکورہ بالا واقعات کا ذکر نہیں ہے۔

حجۃ الوداع کی تفصیل: اس آخری غزوۂ تبوک پر غزوات کے سلسلہ کی تفصیل ختم کی ہے۔اس کے فوراً بعد حجۃ الوداع کا ذکر کیا ہے۔اور اس کی تفصیل ڈھائی صفحہ میں رقم کی ہے۔اس ضمن میں حضرت ابن عباس، حضرت عائشہ، حضرت سعد بن ابی وقاص، ابی الطفیل، عبداللہ بن الاقرط رضی اللہ عنہم وغیرہ سے مروی طویل و مختصر ۹ روایتیں نقل کی ہیں۔(۳۶۸ تا ۳۷۱)

پہلے مختصر بیان میں لکھتے ہیں کہ آپؐ نے ۱۰ھ میں حج کیا جو حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے۔آپؐ کی وفات کے بعد اس نام سے اس حج کو موسوم کیا گیا۔وانما سمیت بذلک بعد وفاة رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم۔(ص ۳۶۸) عبداللہ ابن عباس ''حجۃ الوداع'' کہنے کو ناپسند کرتے تھے، تو لوگ ''حجۃ الاسلام'' کہنے لگے۔انہوں نے کہا یہ صحیح ہے کہ آپؐ نے مدینہ سے اس کے علاوہ کوئی دوسرا حج نہیں کیا۔ابراہیم بن سعد کا قول ہے کہ اس حج کو ''حجۃ البلاغ'' کا نام بھی دیا گیا۔اس حج میں آپؐ نے مدینہ میں اپنا جانشین عبداللہ بن ام مکتوم کو مقرر کیا۔(ایضاً)

آپ کی روانگی، مناسک حج کی ادائیگی اور واپسی: ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق آپؐ اپنے

گھر سے تیل لگا کر کنگھا کر کے نکلے، یہاں تک کہ ذوالحلیفہ پہنچے، اگلی روایت میں ہے کہ آپؐ مقام صحار کے بنے ہوئے دو کپڑوں ایک تہبند اور ایک چادر میں روانہ ہوئے، ازواج مطہرات کو ساتھ لیا۔ مسجد ذوالحلیفہ میں دو رکعت نماز ادا کی، اپنی ھدی (قربانی کے جانور) کے داہنی جانب علامت قربانی یعنی نشان لگایا۔ قصواء پر سوار ہوئے، بیداء میں پہنچ کر احرام باندھا (ایضاً)۔ محمد بن ابی بکر کی پیدائش ذوالحلیفہ میں ہوئی (ایضاً)۔ حضرت عائشہؓ کے مطابق آپؐ نے حج مفرد کی نیت کی، اگلی روایت میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے حج کے ساتھ عمرہ کو ملایا۔ زہری حضرت انس بن مالک سے مروی روایت میں کہتے ہیں کہ انہوں نے آپؐ کو ''لبیک بحجة و عمرة معا'' کے الفاظ کہتے ہوئے سنا، تمتع کی بھی روایت ہے (ایضًا)۔ اس کے بعد واقدی کا قول نقل کیا ہے کہ آپؐ نے جعرانہ سے عمرہ کیا۔ ان کا کہنا ہے کہ اس میں آنحضورؐ اور حضرت ابوبکرؓ کی سامان بردار سواری ایک تھی۔ آپؐ نے لحی جمل جو مکہ و مدینہ کے درمیان واقع ہے میں پچھنہ لگوایا۔ مکہ میں اپنی سواری پر دن کے اجالے میں داخل ہوئے، گھر بھی تشریف لے گئے، جب گھر کو دیکھا تو دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر دعا کی۔ نماز سے قبل طواف کیا۔ صرف رکن یمانی و اسود کا استلام کیا۔ حجر اسود سے حجر اسود تک تین اشواط میں رمل کیا (۳۰۷)۔ اس کے بعد کی روایت میں حضرت معاویہؓ کے حضرت ابن عباسؓ کے ساتھ حج کی تفصیل ہے جس میں حضرت ابن عباسؓ نے تمام ارکان کا استلام کیا تو حضرت معاویہؓ نے کہا کہ آپؐ نے محض رکنین یمانین کا استلام کیا تھا۔ اس پر حضرت ابن عباسؓ نے پورے حجۃ الوداع کی تفصیلات پیش کی کہ آپؐ نے یوم الترویہ سے قبل ایک روز ظہر کے بعد اور عرفہ کے دن زوال آفتاب کے وقت خطبہ دیا۔ نماز سے قبل آپؐ اپنی سواری پر تھے، منیٰ میں ظہر کے بعد یوم النحر کے اگلے دن قربانی کی، اس حج میں سو اونٹ آپؐ کے ساتھ تھے، جس میں سے ساٹھ آپؐ نے خود اپنے ہاتھ سے بقیہ حضرت علیؓ نے آپؐ کی ہدایت کے مطابق ذبح کیے۔ اس کے بعد عرفہ کے دن آپؐ کے روزہ نہ رکھنے، ایک اذان اور دو اقامت کے ساتھ عرفہ میں ظہر اور عصر پڑھنے، عرفہ میں ٹھہرنے، مغرب اور عشاء کو ایک اذان اور دو اقامت کے ساتھ پڑھنے، مزدلفہ میں رات گذارنے، جمرۂ عقبہ کی رمی کرنے اور قربانی کرنے کی تفصیلات بتائی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ پورا منیٰ مذبح ہے، مقام جمع سے چھوٹی کنکریاں لیں اور پیدل رمی جمار کرتے رہے، یوم الصدر (یعنی ۱۳ر ذی الحجہ) کو آپؐ نے سوار ہو کر اور بعض کے مطابق پیدل

رمی کی۔ جمار کے وقت آپؐ اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھاتے تھے اور کھڑے ہوجاتے تھے، جمرہ عقبہ میں آپؐ نے ایسا نہیں کیا۔ و کان یرفع یدیه عند الجمار ویقف و لا یفعل ذلک عند جمرۃ العقبۃ (۳۷۰)۔ یوم النحر کو کعبہ کی زیارت کی اور یوم الصدر کو واپس ہوئے۔ آپؐ ابطح کے ایک خیمہ میں جو خاص آپؐ ہی کے لیے نصب کیا گیا تھا فروکش ہوئے، رات کا آخر تھا کہ آپؐ نکلے، طواف وداع کیا اور مدینہ کا رخ کیا (ص ۳۷۰۔۳۷۱)۔ فنزل بالابطح فی قبۃ ضبت له، فلما کان فی آخر اللیل خرج فودع البیت ثم مضی من وجهه المدینۃ۔

اس کے بعد "سرایا رسول اللہ" کی تفصیلات ہیں۔ لیکن بلاذری نے مشہور خطبۂ حجۃ الوداع کی تفصیلات یکسر قلم انداز کردی ہیں۔ جبکہ ابن سعد وغیرہ نے اس کے بعض حصے نقل کیے ہیں۔

حواشی

(۱) دیکھیے ذکر المسیر الی خیبر، ج ۲، ص ۲۲۳ تا ۲۴۲۔ (۲) ابن سعد حوالہ مذکور، ص ۷۷ تا ۸۵۔ (۳) شبلی نے ان کو غفاری لکھا ہے، جلد اول، ص ۳۴۲۔ (۴) ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۲۲۔ (۵) ابن سعد حوالہ مذکور، ص ۷۷۔ (۶) اصح السیر ص ۱۸۳۔ (۷) سیرۃ النبی ص ۳۵۴، ج ۱۔ (۸) ایضاً ص ۳۳۹۔ (۹) ابن سعد حوالہ مذکور، ص ۸۷ تا ۸۹۔ (۱۰) مولانا سید سلیمان ندوی نے حویرث کے متعلق سیرۃ النبی کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ "حویرث نے آنحضرتؐ کی دو صاحبزادیوں کے ساتھ جب وہ ہجرت کررہی تھیں شرارت کی تھی اور ان دونوں کو اونٹوں سے گرادینا چاہتا تھا، ج ۱، ص ۳۷۲۔ (۱۱) ایضاً۔ (۱۲) ایضاً۔ (۱۳) صاحب سیرۃ النبی نے طبری کے حوالہ سے لکھا کہ "آپؐ نے علامت امان کے طور پر اپنا عمامہ عنایت کیا، ج ۱، ص ۳۷۱۔ (۱۴) صاحب اصح السیر لکھتے ہیں کہ ۱۰/ رمضان ۸ھ چہارشنبہ کے روز عصر کے بعد حضورؐ مدینہ سے غزوہ فتح کے لیے روانہ ہوئے مع اختلاف الروایات اور ۲۰/ رمضان کو مکہ میں داخل ہوئے اور اسی روز مکہ فتح ہوا، اس کے بعد رمضان کا بقیہ مہینہ اور چند روز شوال کا آپؐ مکہ میں ٹھہرے۔ بخاری میں حضرت انس کی روایت کے مطابق دس اور ابن عباس کے مطابق انیس، ترمذی کے مطابق دس روز سے کچھ زیادہ اور مواہب لدنیہ کے مطابق ۱۵، جس کے قائل ابن اسحاق بھی ہیں روز قیام پذیر رہے (ص ۲۷۶)۔ (۱۵) ابن سعد نے اٹھارہ روز لکھا ہے، حوالہ مذکور ص ۱۱۴، صاحب سیرۃ النبی کی تحقیق کے مطابق بیس دن تک محاصرہ رہا، حصہ اول، ص ۳۸۵۔ (۱۶) ابن سعد حوالہ مذکور۔ فقال ثعلب فی حجر ان اقمت علیه اخذته و ان ترکته لم یضرک۔ ص ۱۱۴،

۱۱۵۔(۱۷) سیرۃ النبی اول ص ۳۸۵۔(۱۸) صاحب تحفۃ الاحوذی نے اس حدیث کی شرح میں محدثین اور بعض صحابہ کے حوالہ سے یہ معلومات بہم پہنچی ہے کہ عمر بن ہارون متروک ہیں۔ابوداؤد کی روایت کے مطابق یہ مراسیل صحابہ میں سے ہے۔جس کے راوی یحییٰ بن کثیر ہیں لیکن اوزاعی کا بیان ہے کہ انہوں نے خود یحییٰ سے پوچھا آپ تک یہ بات پہنچی ہے کہ طائف میں آپؐ نے منجنیق نصب کرایا تھا تو انہوں نے انکار کیا۔**فقلت ليحى ابلغك انه رماهم بالمنجنيق فانكر ذلك**۔جامع ترمذی مع شرحہ تحفۃ الاحوذی،عبدالرحمٰن مبارکپوری،ج ۴،ص ۱۱، برقی پریس دہلی۔(۱۹) ترمذی ابواالادب **باب ماجاء في الاخذ من اللحيه**،ج ۲،ص ۱۰۵،مطبوعہ دیوبند۔(۲۰) حالانکہ اس غزوہ میں ابن سعد نے صریحاً لکھا ہے کہ آپؐ نے انگوروں کے باغ کاٹنے اور جلانے کا حکم دیا ہے، حوالہ مذکور ص ۱۱۴،**فامر رسول الله صلى الله عليه وسلم بقطع اعنابهم و تحريقها**۔(۲۱) کتاب المغازی غزوہ تبوک، ج ۲،ص ۶۳۳۔(۲۲) ج ۲،ص ۳۳۴۔(۲۳) ابن ہشام، ج ۲،ص ۳۳۲۔(۲۴) ابن سعد حوالہ مذکور،ص ۱۱۹۔(۲۵) ج ۲،ص ۶۳۵۔(۲۶) زرقانی، ج ۳،ص ۹۲۔

دیوان رافت: تعارف وجائزہ

ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس

مجددی صوفیہ نے اردو ادب کے ارتقاء اور فروغ کے لیے نا قابل فراموش خدمات انجام دی ہیں (۱)۔اس کی وجہ حضرت خواجہ باقی باللہ اور حضرت امام ربانیؒ کے فیوض و برکات واثرات ہیں (۲)۔ حضرت امام ربانیؒ کے سب سے چھوٹے بیٹے شاہ محمد یحییٰ (م ۲۷؍جمادی الاخری ۱۰۹۴ھ) کی اولاد میں شاہ رؤف احمد رافت (م ۱۲۴۹ھ/ ۱۸۳۳ء) کا شمار بھی اردو زبان کے نمایاں شعراء میں ہوتا ہے۔ جواہر علویہ میں اپنے بارے میں تحریر کرتے ہیں:

"میں مصطفیٰ آباد عرف رامپور میں ۱۴؍محرم ۱۲۰۱ھ کو پیدا ہوا۔میرے جد بزرگوار نے میرا تاریخی نام رحمٰن بخش رکھا"۔(۳)

خاندان قادری میں محبوب الٰہی حضرت شاہ درگاہیؒ سے کسب فیض کیا۔شاہ غلام علی دہلوی کی درگاہ میں آئے تو خواہش سے زیادہ پایا اور ان ہی کے حکم پر بھوپال تشریف لے گئے۔انتقال سفر حج کے دوران ہوا اور یلملم کے قریب دفن ہوئے۔

شاہ رؤف کی علمی وادبی خدمات پر زیادہ نہیں لکھا گیا مگر جو کچھ محفوظ ہوا وہ اردو زبان وادب میں ان کی خدمات عالیہ کا مظہر ہے۔رافت (۴) تخلص ہے اور اشعار میں بعض جگہ رافتا (۵) بھی استعمال کیا ہے جس کی دو وجہیں ہیں پہلی وجہ ضرورت شعری ہے کہ جس میں ارکان بحر کی مطابقت کی رعایت رکھی گئی ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ رافت کے آگے الف کا لگانا خطاب ونداء کی علامت ہے یہ دوسری وجہ ہی زیادہ معتبر ہے۔ان کے شاگرد عبدالغفور نساخ (م ۴؍شوال ۱۳۰۴ھ/ ۱۴؍جون ۱۸۸۹ء) نے سخن شعراء میں ان کے ایک فارسی اور چھ اردو دواوین کا ذکر کیا ہے۔ان کی شاعری پر نساخ نے ان

ڈین فیکلٹی آف اسلامک اینڈ اورینٹل لرننگ، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد۔

الفاظ میں تبصرہ کیا ہے:

"بڑے زبردست عالم تھے۔ عروض وقوافی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ فارسی میں ایک دیوان اور ریختہ میں چھ دیوان اور ہر فن میں ان سے ایک دو رسالے یادگار ہیں۔ جمیع اصناف سخن پر قادر تھے"۔(۶)

اردو میں دیوان "عقد پروین المعروف بہ دیوان رافت" ہے۔ دیوان کا آغاز ان جملوں سے ہوتا ہے:

"الحمد للہ العلی العظیم القادر الرؤف الکریم والصلواۃ والسلام علی حبیبہ الاحمدؐ الرؤف الرحیم اعنی علی امتہ الاثیم وعلی آلہ و صحبہ الف الف تحیۃ و صلوٰۃ و تسلیم، بعد حمد ونعت کے صاحبان رافت وخبرت پر روشن ہو کہ موقع سپاس بی قیاس رب الناس ہی کہ یہ دیوان رفیع نبیان جناب غفران مآب محب باصفا شیخ ابراہیم موسیٰ نے جمع کیا ہے نام دیوان عقد پروین ہی یہ نسخہ ایک ایسے بزرگوار عالی مقدار کی تصنیفات سے ہی کہ جس کی بزرگی اور ولایت میں مسلمانان باخبر اور دین داران نیکو سیر کو کسی طرح کا شک وشبہہ نہیں الحق ۔ مردان خدا خدانہ باشد، لیکن زخدا جدانہ باشد، قیامت ان کی وفات خوش آیات کے وقت سب کے سب رفقاء پر روشن ہوئی اس دیوان کے غزلوں کا پڑھنا جو کہ سراسر جناب رسالت مآب علیہ الف الف تحیۃ الی یوم الحساب کی مدح اور توصیف سے مملو ہیں۔ دین ودنیا کی مُرادوں کی تحصیل کا موجب ہی بلکہ اس دیوان کی ایک ایک جلد اپنے مکان میں رکھنا موجب برکت وآبادیٔ مکان ہی آپ کی تصنیفات سے مولود رؤفی جس میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا احوال خوش مآل ہی اور تفسیر اردو کثیر الحجم زبان تصوف میں آپ نے لکھی جس کی سیر سے آپ کے علم وکمال کا حال روشن ہوتا ہے دوسرا حضرت کا معراج نامہ اعجاز ختامہ مشہور ومعروف ہے۔ اسم مبارک آپ کا مولانا رؤف احمد اور تخلص رافت ہے۔ جناب تجارت مآب سوداگر خلیق وحلیم قاضی عبدالکریم صاحب ابن جناب مرحوم ومغفور قاضی فتح محمد صاحب کی بہت

بڑی خوش نصیبی ہے کہ ان کتابوں کو وہ چھپواتے ہیں اجر عظیم پاتے ہیں اور کاتب کی بھی سعادت ہے کہ ایسے بزرگ کے کلام تحریر کرے، دامن مراد گلہائے مقاصد سے بھرے اب جناب باری اس راقم کا اور ان سب کا خاتمہ بخیر کرے زندگی بعزت بیر کرے۔ آمین اللہم آمین بحق سید المرسلین وآلہ وصحبہ اجمعین"۔(۷)

سید امیر الدین نزہت نے اس دیوان کی تاریخ تالیف یوں نکالی ہے:

سر اوصاف سے تاریخ تالیف ہوئی ہی خوب نو طرز مرصع (۸)

۱۲۸۱

اس دیوان کا آغاز حمدیہ اشعار سے ہوتا ہے۔ پہلا شعر ملاحظہ فرمائیں:

لکھوں ثنا اس کی کیا کہ جس نے کیا ہے ارض و سماء پیدا
صدف سے موتی شکم سے انسان کیا بیک قطرہ ماء پیدا (۹)

اہل فن سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ درمیان شعر ہمزیہ قوافی کو برتنا ہر کس ومہ کی بات نہیں۔ آخر شعر میں ہمزیہ قوافی کی مثالیں تو کلام عرب میں مل سکتی ہیں مگر ادب اردو میں اس کا امکان معدوم و نایاب نظر آتا ہے۔ متاخرین میں سے کسی نے اس پر طبع آزمائی کی ہو تو کچھ کہہ نہیں سکتے تاہم متقدمین میں اس کا التزام نہیں ملتا، چہ جائیکہ کسی نے درمیان شعر ہمزیہ قوافی کو نباہا ہو۔

اس کے بعد نعت ہے۔ آخری شعر یہ ہیں:

کرم سے ان کے یقین ہے شیطان بہ نزع کچھ شک نہ لا سکے گا
کرے گا گر یک سوال آکر تو ہوں گے لاکھوں جواب پیدا
گناہ ہیں بے حساب رافت اگرچہ اپنے یہ شکر ہی پر
کہ کردیے ہیں خدا نے ایسے شفیع روز حساب پیدا (۱۰)

دیوان رافت کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو علم بیان کے اصول اربعہ تشبیہ، استعارہ، مجاز اور کنایہ کے ساتھ ساتھ ان اصولوں کے وہ تمام اجزائے فروعیہ کہ جو ان کے ذیل میں نمو پذیر ہوتے ہیں، دیوان رافت میں جا بجا ملتے ہیں۔ اسی طرح علم معانی وبدیع کی اقسام وصناعات کا وجود بھی دیوان رافت کے جہان فصاحت میں کثیر مقامات پر نظر آتا ہے۔ دیوان رافت کا حصہ اول تو ایک مستقل

غزلیہ تسلسل ہے کہ جس کو ایک ہی بحر میں صرف قافیہ کی تبدیلی کے ساتھ نباہا گیا ہے۔ حصہ اول میں ۳۳ کلام ہیں جن میں اشعار کی تعداد ۲۵۸ ہے جو ایک ہی وزن "بحر متقارب مقبوض اثلم فعول فعلن فعول فعلن فعول فعلن فعول فعلن" میں نظم کیے گئے ہیں۔ ان تمام اشعار کی ردیف ایک ہی ہے بس قافیہ مختلف ہے۔ ہر کلام کے مقطع میں قافیہ کی تبدیلی کا اشارہ کیا جاتا ہے اور بعد ازاں حروف تہجی کی ترتیب کے مطابق الف سے یا تک بڑی ماہرانہ دسترس کے ساتھ اس تسلسل کو پایہ تکمیل تک پہنچایا گیا ہے۔ اسی طرح حصہ دوم جو کہ ایک الگ مکمل دیوان ہے جس میں ۳۴ کلام نظم کیے گئے ہیں جن میں اشعار کی تعداد ۲۷۰ ہے جو ایک ہی وزن بحر رمل مثمن مزاحف منجوں مقطوع محذوف مسکن مذال فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن رفعلان میں ہیں۔ یہاں فرق صرف اتنا ہے کہ ہر کلام اپنی ذات میں ایک مستقل کلام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دیوان رافت میں شعر اول سے شعر آخر تک قاری کا ذوق انتشار کا شکار نہیں ہوتا اور وجدان قاری کے تاروں کو قافیہ کی تبدیلی ایک نئی ضرب اور ہر ضرب ایک نئی کیفیت اور ہر کیفیت ایک نئے لطف سے آشنا کرتی ہے۔ نئے نئے تجربات اور لفظوں کو حقیقی و مجازی معنی میں استعمال کرنے کا جو عمل دیوان رافت میں ہے وہ دوسروں کے دواوین میں مفقود نہیں تو بہت کم نظر آتا ہے۔ ایسے ایسے نادر مضامین ہیں کہ جن کو شعر میں باندھتے ہوئے اساتذہ بھی ہچکچاتے ہیں، بڑی سہولت کے ساتھ استعمال کیے گئے ہیں۔

یہاں ایک فنی نکتہ بھی غور طلب ہے کہ حصہ اول جو کہ بحر متقارب میں ہے اور حصہ دوم جو کہ بحر رمل میں ہے۔ دونوں حصے الگ الگ نوعیت کے دیوان ہیں۔ پہلا تو متحد النوع ہے کہ ایک ہی نوع کی ردیف ہر کلام کا حصہ ہے جبکہ دوسرا حصہ مختلف النوع ہے کہ ہر کلام کی ردیف الگ ہے جو حروف تہجی کے اعتبار سے ورود پذیر ہوئی ہے، یعنی پہلے حصے میں حروف تہجی کا اعتبار باعتبار قافیہ کیا گیا ہے اور دوسرے حصہ میں حروف تہجی کا اعتبار باعتبار ردیف کیا گیا ہے۔ ان دونوں دواوین کی ہیئت کے مختلف ہونے میں راز یہ ہے کہ پہلا حصہ بحر متقارب میں ہے اور بحر متقارب دائرہ متفقہ کی بحر ہے اور دوسرا حصہ بحر رمل میں ہے اور بحر رمل دائرہ مجتلبہ مسدسہ کی بحر ہے۔ جب بحروں کا دائرہ مختلف ہوا تو دونوں دواوین کی ہیئت بھی مختلف رکھی گئی۔ اب یہ اتفاق فکر ہے یا التزام فکر، کچھ کہا نہیں جا سکتا تاہم یہ توجیہہ قابل التفات ہے۔

اب اگر بلاغت کے نقطہ نظر سے کلام رافت کو دیکھیں تو اس میں تمام فنی خصائص بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں۔ ''عقد پروین المعروف دیوان رافت'' کی غزل کا ایک مقطع جس میں مشبہ اور مشبہ بہ میں قصد مساوات کیا گیا ہے:

غزل بدل قافیہ سنا پھر کہ ہند میں تو ہو ہے رافتؔ
نظامی و جامی اور سعدی سحابی و بدر و چاچ پیدا (۱۱)

اس شعر میں رافت نے اپنے مقام و مرتبہ کا ذکر کیا۔ خود مشبہ بنے اور دیگر بلند مرتبہ اساتذۂ سخن کو مشبہ بہ بنایا۔ مشبہ و مشبہ بہ بعض اوقات حسی ہوتے اور بسا اوقات عقلی۔ ان کی مثالیں کلام رافت میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ غزل کا ایک شعر جو قوت باصرہ سے متعلق ہے:

تمہارے قد کا ہو گر تصور بنزع ایغیرت صنوبر
تو خود بخود بعد مرگ ہووے مزار پر کیوں نہ گاچ پیدا (۱۲)

مشبہ اور مشبہ بہ کے حسی ہونے کی ایک خوبصورت مثال:

نہیں ہے روئے عرق فشاں پر کسی کی زلف سیاہ رافت
ہوا ہے یہ اس کے چاٹنے کو خدا کی قدرت کا ناگ پیدا (۱۳)

تشبیہ ملفوف (۱۴) کی قبیل سے رافت کا ایک شعر دیکھیے:

چشم اس کے قد موزوں پہ فلک دیکھ کہیں
نرگسِ حسن عجب ہی یہ صنوبر کے پیچ (۱۵)

اس شعر میں دو مشبہ اور دو ہی مشبہ بہ ہیں: چشم، قد موزوں اور نرگس حسن عجب، صنوبر جو کہ ترتیب سے ذکر ہوئے ہیں۔ جہاں یہ شعر تشبیہ ملفوف میں ہے تو وہیں صنعت لف و نشر مرتب میں بھی ہے۔

استعارہ کی ایک مثال غزل کا یہ شعر ہے:

قصد جانے کا نہ کر یہاں سے کہ مرجائیں گے ہم
ای صنم مار کے بس چھاتی پہ پتھر بفراق (۱۶)

کنایہ کی مثال ملاحظہ فرمائیں:

مریض غم کی تیرے عیادت کرے کوئی کیا عجب ہے حالت
کہ قوت ضعف لاغری سے ہے آپ پنہاں فراش پیدا (۱۷)

مریض غم ہونا کنایہ ہے عاشق ہونے سے۔اسی طرح ان کا یہ شعر:

سانس ٹھنڈی نہ بھروں کیونکہ میں خالی گھر دیکھ
مجھ کو دم دے کے سدھارا وہ ستمگر افسوس (۱۸)

ٹھنڈی سانسیں بھرنا مبتلائے غم ہونے سے کنایہ ہے۔

قدیم اردو شعراء کا عربی ذوق بھی اس دیوان میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔دیوان کا آخری کلام عربی میں صلوٰۃ وسلام کا ہدیہ ہے۔اشعار ملاحظہ فرمائیں:

صلِّ علیٰ محمدٍ مِہر سپہر اصطفا
صلِّ علیٰ محمدٍ ماہِ سماء اجتبا
صلِّ علیٰ محمدٍ مفخرِ جملہ انبیا
صلِّ علیٰ محمدٍ رہبر جُملہ اولیا
صلِّ علیٰ محمدٍ کاشفِ سھل آتیٰ
صلِّ علیٰ محمدٍ واقفِ رازِ اتما
صلِّ علیٰ محمدٍ مورد مدحت و ثنا
صلِّ علیٰ محمدٍ اوضح وصفِ والضّحےٰ

یہ دیوان جہاں قواعد وفن کا شاہکار ہے وہیں انیسویں صدی کے اسلوب شعری اور املاء کا آئینہ دار بھی ہے۔اس دور میں الفاظ کو جوڑ کر لکھنے اور ''ں'' کی بجائے ''ن'' کے مروج ہونے کی مثالیں دیوان رافت میں عام ہیں۔چند مرکب الفاظ اور عصری املائی اسلوب ملاحظہ فرمائیں:

جانسے	جان سے	ہمکو	ہم کو
اسبات	اس بات	جسمین	جس میں
تجھکو	تجھ کو	تمنے	تم نے
لگجائے	لگ جائے (۱۹)		

اس کتاب کے آخر پر لگا ہوا اشتہار اس حقیقت کا مظہر ہے کہ اشاعتی اداروں کا مزاج اور ذوق ہمیشہ ایک سا رہا ہے۔ اس اشتہار کو من وعن استفادۂ ناشرین کے لیے نقل کیا جاتا ہے:

"اشتہار واجب الاظہار

جمیع صاحبان اہل مطابع نزدیک ودور وتاجران کتب والاشان ذی شعور کی خدمت میں عرض ہی کتاب ہذا داخل بہی رجسٹر گورنمنٹ ہی اور حقوق تصنیف وتالیف مصنف کی جانب سے مہتمان کے پاس محفوظ ہیں لہٰذا کوئی صاحب قصد طبع نہ فرمائے عوض نفع قلیل نقصان کثیر کی زحمت نہ اوٹھائی جس قدر نسخے مطلوب ہوں بارسال زر قیمت دکان نمبر ۶۵ واقعہ کولسہ محلہ قریب پاوے ہونی سے طلب فرمائی فقط

المشتہر

قاضی عبدالکریم رقاضی رحمت اللہ تاجران کتب بمبئی"

اس مختصر تعارف سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ دیوان رافت موضوعاتی اور فنی اعتبار سے اردو ادب کا ایک لازوال کارنامہ ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ کوئی صاحب ذوق اس دیوان کی ترتیب وتدوین نو پر توجہ دیں تاکہ عصر حاضر میں فکر رافت جو فکر راست ہے، سے استفادہ کیا جائے۔ یہ دیوان خانقاہوں سے وابستہ افراد کا اردو شاعری میں کردار، کے حوالہ سے مطالعہ کی سمت بھی متعین کرے گا۔

حوالہ جات

(۱) شمس، ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس، اردو شاعری کے فروغ میں مجددی صوفیہ کا کردار، مشمولہ: خدابخش لائبریری جرنل، پٹنہ، ۲۰۰۸ء، ج ۱۵۳، ص ۶۷۔ ۸۶۔ (۲) شمس، ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس، خواجہ باقی باللہ کا شعری ذوق، مشمولہ: خدابخش لائبریری جرنل، پٹنہ، فروری ۲۰۱۲ء۔ (۳) رافت، رؤف احمد، جواہر علویہ، ملک فضل الدین، مترجم، لاہور: تاجران کتب قومی، ۱۹۱۹ء، ص ۱۷۲۔ (۴) دیوان رافت میں آپ کا تخلص عموماً یہی ہے۔ آخری صفحہ پر ناشر کے یہ الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

الحمد للہ والشکر اللہ والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ وعلی آلہ واصحابہ الی یوم بعث خلق اللہ بعد حمد وصلوٰۃ کے شائقین دواوین مدح رسول مقبول پر روشن ہو کہ دیوان فصاحت وبلاغت عنوان جناب کرامت وولایت انتساب صدر آرائے محفل شریعت وطریقت سالک مسالک جادہ معرفت و حقیقت سخنور امجد والا مرتبت مولانا رؤف احمد صاحب المتخلص بہ رافت عطر اللہ ترتبہ بالمسک کا جس

کا نام عقد پروین ہی جناب فیضی مآب قاضی عبدالکریم و قاضی رحمت اللہ صاحب نے اپنے مطبع فتح الکریم میں چھپوا کر نور افزائے چشم خلائق کیا جناب باری اس کے مصنف اور طباع اور کاتب کو اور مصحح کو اس سبز خیمہ کے نیچے باغ باغ رکھے دل بہار منزل ہر ایک با فراغ رکھے بحق رسول رسول اللہ و آل رسول اللہ اللہم آمین۔

(۵) دیوان کا یہ شعر ملاحظہ فرمائیں:

تو رافتا شاعر کہن ہی غزل بدل قافیے کو پڑھ پھر
نئے نئے ہوں گے لاکھ مضمون جو تو نے کی ہی تلاش پیدا

(۶) نساخ، عبدالغفور، سخن شعرا، لکھنؤ، اتر پردیش اردو اکادمی، ۱۹۸۲ء، ص ۱۷۸۔ (۷) عقد پروین، ص ۲۔ ۳۔ (۸) ایضاً۔ (۹) ایضاً، ص ۴۔ (۱۰) ایضاً، ص ۵۔ (۱۱) ایضاً، ص ۷۔ (۱۲) ایضاً۔ (۱۳) ایضاً، ص ۱۵۔ (۱۴) تشبیہ ملفوف وہ ہے کہ جس کے طرفین (مشبہ اور مشبہ بہ) متعدد ہوں بایں طور کہ پہلے مشبہات کو بطریق عطف ذکر کیا جائے پھر اسی طرح مشبہات بہا کو بالترتیب ذکر کیا جائے۔ قاسم، دکتور محمد احمد، محی الدین دیب، دکتور، علوم البلاغہ، طرابلس، ۲۰۰۳ء، ص ۱۵۵۔ (۱۵) دیوان رافت، ص ۲۲۔ (۱۶) ایضاً، ص ۲۹۔ (۱۷) ایضاً، ص ۱۱۔ (۱۸) ایضاً، ص ۲۵۔ (۱۹) دیوان رافت کے بالترتیب درج ذیل صفحات ملاحظہ فرمائیں: ۲۵ تا ۳۰۔

نوٹ: شاہ رؤف رافت کے احوال کے لیے ملاحظہ کریں:

(I) شمس، ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس، راوی، جی سی یونیورسٹی، لاہور، ۲۰۰۹ء، ص ۸۱۔ ۸۳۔ (II) صبا اسلام، شمس، ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس، تفسیر رؤفی: مطالعہ و جائزہ، فیصل آباد، شمع بکس، ۲۰۱۵ء۔

مآثر رحیمی

مغل عہد نے ہندوستان کو جو بے مثال تحفے دیے، ان میں بیرم خاں اور ان کے بیٹے عبدالرحیم خان خاناں جیسی کثیر الجہات اور جامع کمالات ہستیاں بھی ہیں، عبدالرحیم خان خاناں کے سوانح، عبدالباقی نہاوندی نے اس خوبی سے تحریر کیے کہ مآثر رحیمی، ایک شخص ہی نہیں، ایک عہد کی تاریخ بھی ہوگئی، اس بیش قیمت کتاب کا ترجمہ عرصہ ہوا سید منصور علی سہروردی مرحوم نے کیا تھا۔ اب ڈاکٹر شریف حسین قاسمی اور جناب حسن بیگ کی نظر ثانی و حواشی وغیرہ کے ساتھ دارالمصنّفین نے اس کو شائع کیا ہے۔ پروفیسر اشتیاق احمد ظلی کے پیش لفظ سے بھی یہ مزین ہے۔

قیمت: ۳۵۰؍روپے

مکتوبات

کالی داس گپتا رضاؔ بنام حنیف نقوی

جناب عبدالرازق

پروفیسر حنیف نقوی کا شمار عہد حاضر کے مشہور محققین میں ہوتا ہے۔ وہ اپنی گراں قدر تحقیقی تصانیف و مقالات کی بنا پر اہل علم اور محققین کے درمیان خاص قدرو منزلت کے حامل سمجھے جاتے ہیں۔ اپنی علمی و تحقیقی سرگرمیوں کے دوران وہ اپنے دور کے مشاہیر سے خط و کتابت کے ذریعے رابطہ بھی رکھتے تھے۔ ان کے انتقال (۲۲/ دسمبر ۲۰۱۲ء) کے بعد ان کا ذخیرۂ کتب پروفیسر ظفر احمد صدیقی استاد شعبۂ اردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کے توسط سے مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی منتقل کردیا گیا۔ جہاں ''حنیف نقوی کلکشن'' کے نام سے چند علاحدہ الماریوں میں ان کو رکھا گیا ہے۔ ان کے کچھ متفرق کاغذات کی چھان بین کے دوران راقم الحروف کو ان کے نام لکھے گئے بعض مشاہیر اور چند احباب و متعلقین کے خطوط دستیاب ہوئے ہیں۔ مشاہیر میں جن حضرات کے خطوط ہیں ان میں پروفیسر آل احمد سرور (ف ۲۰۰۲ء)، مشفق خواجہ (ف ۲۰۰۵ء)، گیان چند جین (ف ۲۰۰۷ء) اور کالی داس گپتا رضاؔ کے نام قابل ذکر ہیں۔ تمام خطوط کو اشاعت کے لیے ایک ساتھ مرتب کرنا راقم الحروف کے لیے دشوار تھا۔ اس لیے فی الحال کالی داس گپتا رضاؔ کے خطوط توضیحی حواشی کے ساتھ پیش کیے جاتے ہیں۔

کالی داس گپتا رضاؔ (۱۹۲۵ء۔۲۰۰۱ء) اردو کے ان ادیبوں میں سے ہیں، جن کا ذریعۂ معاش اردو نہیں تھی۔ ان کا اپنا کاروبار تھا اور وہ کاروبار کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا کام بھی انجام دیتے رہتے تھے۔ گپتا رضاؔ صاحب کی شہرت ایک محقق کی حیثیت سے ہوئی۔ حالانکہ وہ ایک پُرگو شاعر بھی

ریسرچ اسکالر شعبۂ اردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔

تھے۔جس کا اندازہ ان کے شعری مجموعوں سے ہوتا ہے جن کی تعداد ۹/ ہے۔تحقیق میں انھوں نے غالب کو اپنا خاص موضوع بنایا۔غالب پر ان کی ۱۸/ کتابیں ہیں۔اس کے علاوہ انھوں نے ''دیوانِ غالب کامل تاریخی ترتیب سے''،''دیوانِ غالب (متداول) تاریخی ترتیب سے''اور''انتخاب رقعات و اشعارِ غالب'' جیسی اہم کتابیں بھی مرتب کر کے شائع کی ہیں۔انھوں نے ''دیوانِ غالب'' مطبوعہ ۱۹۴۱ء کا عکسی ایڈیشن بھی اپنے پیش لفظ کے ساتھ شائع کیا ہے۔غالبیات کے سلسلے میں انھوں نے جو کام کیے ہیں ان میں سب سے زیادہ شہرت ان کے مرتب کردہ دیوانِ غالب (نسخۂ گپتا رضاؔ) کو حاصل ہوئی۔اس نسخے کی ہندو پاک میں تین تین اشاعتیں عمل میں آئیں۔ہندوستان میں اس کی پہلی اشاعت فروری ۱۹۸۸ء میں دوسری ۱۹۹۰ء میں اور تیسری ۱۹۹۵ء میں ساکار پبلشرز پرائیویٹ لمٹیڈ، بمبئی سے ہوئی۔پاکستان میں انجمن ترقی اردو، کراچی (پاکستان) سے ۱۹۹۰ء، ۱۹۹۴ء اور ۹۷-۱۹۹۶ء میں یہ نسخہ شائع ہوا۔رضاؔ صاحب کے سلسلے میں ایک قابلِ ذکر بات یہ بھی ہے کہ ان کا اپنا بہت بڑا ذخیرۂ کتب تھا جن میں سے خود ان کی اطلاع کے مطابق دو ہزار سے زائد کتابیں صرف غالبیات سے متعلق تھیں۔مختصر یہ کہ گپتا رضاؔ صاحب نے اپنی کاروباری مصروفیات کے ساتھ اردو زبان و ادب کی وقیع خدمات بھی انجام دیں۔

گپتا رضاؔ صاحب پر جو کتابیں لکھی گئیں وہ درج ذیل ہیں:

۱۔متعلقاتِ کالی داس گپتا رضاؔ از ساحر شیوی، بزم تخلیق ادب پاکستان، کراچی، ۲۰۰۰ء۔
۲۔محقق غالب — کالی داس گپتا رضاؔ، محمد عارف خاں، ثاقب صدیقی (مرتبین)، انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی، ۲۰۰۱ء۔ ۳۔کالی داس گپتا رضاؔ: شخص اور شاعر از ساحر شیوی، متل بک ایجنسی، ۲۰۰۱ء۔ ۴۔کالی داس گپتا رضاؔ، شمیم طارق، ساہتیہ اکادمی، دہلی، ۲۰۰۴ء۔ ۵۔علامہ کالی داس گپتا رضاؔ کے ادبی سفر، نذیر فتح پوری، اسباق پبلی کیشنز، پونہ، اگست ۲۰۰۷ء۔

پروفیسر حنیف نقوی کے نام کالی داس گپتا کے مکتوبات جو فی الوقت راقم کو دستیاب ہو سکے ہیں، ان کی مجموعی تعداد ۳۳ ہے۔ان میں پہلا خط ۲۰/ مئی ۱۹۸۰ء کا اور آخری خط یکم دسمبر ۱۹۹۹ء کا ہے۔کچھ خطوط وہ ہیں جن میں کتابیں ارسال کرنے یا موصول ہونے کی اطلاع دی گئی ہے ان کے علاوہ باقی تمام خطوط ایسے ہیں جن میں علمی نوعیت کی گفتگو کی گئی ہے۔ان کا مطالعہ ادب کے طالب علموں کے

لیے یقیناً مفید ہوگا۔ ان خطوط کو مرتب کرنے میں طریق کار یہ اختیار کیا گیا ہے کہ خطوط میں جہاں حواشی کی ضرورت محسوس ہوئی وہاں خط مکمل ہونے کے بعد حواشی درج کر دیے گئے ہیں۔ معمولی وضاحت یا سہو کتابت کی نشاندہی خط کی عبارت کے دوران قلّا بین [ ] میں کر دی گئی ہے۔ البتہ خط نمبر ۱۶ (مورخہ ۹۱/۵/۱۱) میں قلا بین کی عبارت گپتا رضاؔ صاحب کی لکھی ہوئی ہے۔ ان خطوط میں سے خط نمبر ۳/ کا کچھ حصہ کرم خوردہ ہے اور خط نمبر ۲۳ کا پوسٹ کارڈ درمیان سے پھٹ گیا ہے۔ اول الذکر خط کے کرم خوردہ حصہ کی عبارت قیاسی طور پر قلّا بین میں لکھ دی گئی ہے جب کہ ثانی الذکر میں جو حصے پھٹنے کی وجہ سے ضائع ہو گئے ہیں ان کی جگہ پر نقطے لگا دیے گئے ہیں۔ مطالعے کے دوران یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ ان خطوط میں گپتا رضاؔ صاحب کی روشِ کتابت کو برقرار رکھا گیا ہے۔ خطوط کی ترتیب کے دوران جن مآخذ کو پیش نظر رکھا گیا ہے ان کی فہرست سب سے آخر میں دے دی گئی ہے۔ راقم الحروف کی یہ کوشش کس حد تک کامیاب ہے اس کا فیصلہ قارئین ہی کر سکتے ہیں۔

آخر میں استاد محترم پروفیسر ظفر احمد صدیقی کا شکر گزار ہوں کہ اگر وہ ان خطوط کی طرف رہنمائی نہ کرتے تو راقم الحروف کی رسائی کبھی ان تک نہ ہوتی۔ اس کے علاوہ اس کی ترتیب کے دوران مسائل کو حل کرنے میں بھی انھوں نے قدم قدم پر رہنمائی فرمائی۔

(۱)

۸۰/۵/۲۰

محبی تسلیم۔ مشفق خواجہ صاحب کے خط کے ساتھ آپ کا کرم نامہ بھی ملا۔

صفدر آہ صاحب (۱) کے دونوں مضمون میری نظر سے گزرے تھے مگر میرے پرچے کہیں کھو گئے۔ اب آپ کی ضرورت کے پیش نظر ڈھنڈیا پڑی۔ ادارہ قومی راج (۲) کئی دفعہ آدمی بھیجا مگر کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔ بہر حال ایک جگہ دونوں شمارے دستیاب ہو گئے۔ بذریعہ رجسٹری ارسالِ خدمت ہیں۔ مجھے لوٹانے کی ضرورت نہیں آپ اپنے لیے محفوظ کر لیجیے گا۔ بعد میں چیزیں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتیں۔

میرے لائق کوئی اور خدمت ہو تو گریز نہ کریں۔

مخلص

کالیداس گپتا رضاؔ

Dr. S. Hanif Naqvi,
Dept. of Urdu, Banaras Hindu University,
Varanasi-221005

....

(۱) صفدر آہ کی ولادت ۱۹۰۵ء میں سیتاپور، اتر پردیش میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم سیتاپور اور لکھنؤ میں ہوئی۔ ۱۹۳۸ء میں ڈائریکٹر محبوب کی دعوت پر وہ بمبئی چلے گئے۔ اردو ادب میں میر تنقید کے حوالے سے ان کی بہت شہرت ہوئی۔ میرؔ پر ان کی مستقل کتاب "میر اور میریات" شائع ہوئی۔ اس کے علاوہ تلسی داس رام چرت مانس، امیر خسرو بحیثیت ہندی شاعر، فردوسیِ ہند، پریم بانی وغیرہ ان کی قابل ذکر تصانیف ہیں۔ ۲۹/جولائی ۱۹۸۰ء کو بمبئی میں ان کا انتقال ہوا۔ ہفت روزہ "ہماری زبان" کے ۱۵/اگست ۱۹۸۰ء کے شمارے میں ان کی وفات کی خبر شائع ہوئی۔ اس کے علاوہ ان پر ایک کتاب "صفدر آہ بحیثیت شاعر" از ڈاکٹر زرینہ ثانی بھی انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی سے ۱۹۷۹ء میں شائع ہوئی تھی۔

(۲) انٹرنیٹ پر Major Urdu Journals at the Urdu Research Centre کے تحت دی ہوئی فہرست میں رسالہ "قومی راج" کا اندراج ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسالہ بمبئی سے نکلتا تھا، اس کے ایڈیٹر خواجہ عبدالغفور تھے۔ یہ رسالہ ۱۹۷۴ء سے ۱۹۹۲ء کے درمیان پندرہ روزہ اور ماہانہ کے طور پر وقفے کے ساتھ نکلتا رہا۔ یہاں غالباً اسی ادارے کا ذکر ہے۔

(۲)

۸۱/۹/۲۷

محب مکرم۔ تسلیم آپ کا ۱۸/ستمبر کا کرم نامہ ابھی ملا۔ فوراً جواب دے رہا ہوں کیونکہ بعد دوپہر پونہ جا رہا ہوں۔ تین چار روز کے بعد واپسی ہوگی۔ یقین کیجیے کہ مجھے آپ کے خط سے بے حد مسرت ہوئی۔ تحقیقی مقالے سخت محنت چاہتے ہیں۔ ان کا ثمرہ یہی ہے کہ کوئی صاحب نظر انھیں توجہ سے پڑھے۔ آپ نے یہ کام پورا کیا۔

میرے مضمون "بیاضِ رفعت" (۱) میں کتابت کی بہت سی غلطیاں ہیں۔ میرے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ میں اپنے مسودے خود ہی صاف کرسکوں۔ یہاں بمبئی میں منشی نہایت پست معیار ہوتے ہیں۔ پہلے تو وہی بے شمار غلطیاں کر دیتے ہیں۔ پھر کاتبوں سے پالا پڑتا

ہے۔غرضیکہ کچھ نہ پوچھیے۔

۱۔ میں نے ''برائے نماز گزاردن'' کا ترجمہ ''نماز گزارنے کے لیے'' کیا ہے۔ جسے آپ نے خلافِ محاورہ کہا ہے۔اردو میں فارسی مصادر کے ایسے بہت سے ترجمے ہوئے ہیں جن کا اردو محاورے سے کوئی تعلق نہیں۔ یہاں تک کہ میرؔ اور غالبؔ دونوں نے ''تسلّی نہ شد'' کا ترجمہ ''تسلی نہ ہوا'' کر دیا اور نظم طباطبائی اسے خلافِ محاورہ کہتے رہ گئے۔(۲)

جگرِ تشنۂ آزار ، تسلّی نہ ہوا

جوئے خوں ہم نے بہائی بُن ہر خار کے پاس (غالبؔ)

غالب کا یہ شعر دراصل میرؔ کے اس شعر کا خاکہ ہے:

نہ تسلّی ہوا دلِ بے تاب

نہ تھا چشم تَر سے خونِ ناب

پھر آپ کی نظر سے رشکؔ کا یہ شعر بھی گزرا ہی ہوگا:

شرابِ عشق میں حیران ہیں نماز گزار

حلال چیز کو کیونکر کوئی حلال کرے

میری غزل کا ایک شعر تھا:

نمازِ شکر کی بھی کوئی جا نکل جائے

نمازِ عشق تو ہم ہر جگہ گزار چکے

اُستاذی قبلہ جناب جوش ملسیانی (۳) نے ہر جگہ کی جگہ ہر کجا کر دیا اور باقی شعر بحال رکھا۔میرے لیے یہی سند کافی ہے۔(ہر جگہ کو ہر کجا بنا دینے میں نقطہ [کذا=نکتہ] یہ ہے کہ پہلے مصرع میں جاے آیا ہے اس لیے دوسرے مصرع میں کجا اچھا لگتا ہے)۔

۲۔ میری کتاب ''غالبیات۔ چند عنوانات'' (۴) چھپ رہی ہے۔اس میں آپ کے حوالے سے لکھ دوں گا کہ آپ نے ''ابجد العلوم'' (۵) دیکھی ہے۔(۶)

نوٹ: کیا آپ نے نواب صدیق حسن خان کی کتاب (مطبوعہ یا غیر مطبوعہ) ربیع الادب بھی کہیں دیکھی ہے؟

۳۔ میں نے ''سرِ باب'' کہیں نہیں لکھا اور مضمون میں ''سر باب'' چھپا ہے۔ آپ نے ''سرِباب'' میرے مضمون سے کیونکر منسوب کیا؟ میں نے حاشیے میں ''ازسر بابِ بدوارا'' ہی لکھا تھا۔ کاتب نے ازخود کتابت نہیں کیا۔ ''سرِ باب'' سے وزن غلط ہو جاتا ہے۔

آپ نے ''ازسر'' سے دوبارہ، اردگرد اور ازسرِنو کا مفہوم لیا۔ میری نظر سے یہ مفہوم کبھی نہیں گزرا (ویسے میرا فارسی علم بھی کچھ ایسا ہی ہے) کوئی سند عنایت فرمائیں تو عنایت ہوگی۔ (۷)

۴۔ بھوپال شہر کے دروازوں کی تفصیل میں نے ''اردو ادب کی ترقی میں بھوپال کا حصہ'' ص ۲۸ سے لی تھی۔ مقالے میں کاتب سے امامی دروازہ حذف ہو گیا۔ اب اگر آپ کہتے ہیں کہ ایک دروازہ جمعراتی بھی ہے تو غالباً یہی گنوری دروازہ ہوگا۔ میں نے آج تک کبھی بھوپال نہیں دیکھا۔ اگر صاحب ''۔۔۔بھوپال کا حصہ'' نے گنوری دروازہ غلط لکھا ہے تو مجھے افسوس ہوگا کیونکہ وہ ایک تحقیقی تھیسس ہے۔

۵۔ یہ ''ایر ملِک'' نہیں کاتب نے غلط لکھا۔ اصل یہ ہے ''شش ایر صاحب مِلک''۔ اب آپ اس سے جو بھی نتیجہ نکالیں۔ اشارہ شاید نواب صدیق حسن خاں ہی کی طرف ہے۔

۶۔ ''ہیں دودمان امام شہید'' سے اگرچہ دھیان فوراً مذہب (شیعہ) ہی کی طرف جاتا ہے مگر آپ کی بات درست ہے۔ اب مذہب کو نسب سے بدل دیا ہے۔

۷۔ میرے کتب خانے میں دراصل سفرنگ دساتیر کے تین نسخے ہیں۔

۸۔ قصبہ ''ارے سر'' منشی کی غلطی ہے۔ اصل رائسین ہی ہے۔

۹۔ بیاض کے ص ۸۳ (ص ۷۳ درست نہیں) پر طورِ کلیم اور بزمِ سخن سے متعلق عبارت درج کرتا ہوں:

''طورِ کلیم تذکرۂ اشعار اردو ونثر فارسی بنام نورالحسن صاحب، محمد خاں شہیرؔ نگاشتہ است و بزمِ سخن بنام علی حسن، صابر حسین (صباؔ) سہسوانی (نگاشتہ)''۔

آخری چند لفظ کرم خوردہ ہیں۔ ان کی شکل یہ ہے:

''صاحس سہ نے تہٗ''

گویا"صابر حسین صبا سہسوانے نگاشتہ"اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ یہ صابر حسین صبا سہسوانی نگاشتہ یا نوشتہ ہی ہے۔ہوسکتا ہے کہ صبا تخلص درج نہ ہو کیونکہ اس کا کوئی نشان باقی نہیں۔

۱۰۔ فی الحال میرے پاس وقت نہیں اس لیے صبا، اعجاز سہسوانی وغیرہم کے لیے بیاض کا مطالعہ کسی اور وقت کے لیے اٹھا رکھتا ہوں۔

مجھے امید ہے کہ میرے معروضات آپ کے لیے قابلِ قبول ہونگے۔میں طویل بحثوں سے گھبراتا ہوں کیونکہ کاروبار میں بُری طرح پھنسا رہتا ہوں۔تاہم اگر آپ میری تحریروں میں تسامحات کی نشاندہی کرتے رہیں گے تو گویا مرے مشن کی تکمیل میں آپ مری مدد کریں گے۔

مخلص

کالی داس گپتا رضا

نوٹ: کیا آپ کے علم میں کہیں "کرامت بیدل" کا مطبوعہ یا غیر مطبوعہ رسالہ بھی ہے؟

....

(۱) "بیاضِ رفعت": اس مضمون میں گپتا رضا صاحب نے مولانا ابوالفضل محمد عباس شروانی رفعت (ولادت: ۱۸۲۶ء بنارس، وفات: ۹۷۔۱۸۹۸ء بھوپال) کی بیاض کے قلمی نسخے کا تعارف کرایا ہے۔یہ مضمون ان کی کتاب "غالبیات چند عنوانات" (ول پبلی کیشنز، بمبئی ۱۹۸۲ء) میں شامل ہے۔

(۲) اس خط میں نمبر (۱) کے مقابل حاشیے میں نقوی صاحب کے قلم سے درجِ ذیل اشعار لکھے ہوئے ہیں:

غالب

بعد صد شکوہ بیک عذر تسلی نشوم
کایں چنیں مہر ز سردی بمدارا ماند
مردم ز فرطِ ذوق و تسلی نمی شوم
یارب کجا برم لبِ خنجر ستاے را

(۳) جوش ملسیانی: پنڈت لبھو رام جوش ملسیانی، ولادت: ملسیاں ضلع جالندھر، پنجاب، ۱۸۸۴ء۔وفات: نکودر ضلع جالندھر، پنجاب، ۱۹۷۶ء۔کالی داس گپتا رضا صاحب انھیں سے شاعری میں اصلاح لیتے تھے۔ (مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "تذکرۂ ماہ وسال"، ۲۰۱۱ء، ص ۱۲۰ اور "تذکرۂ معاصرین" (جلد ۴)، مالک رام،

مکتبہ جامعہ، نئی دہلی، ۲۰۱۱ء، ص ۱۹-۲۱)

(۴) یہ کتاب جنوری ۱۹۸۲ء میں شائع ہو کر منظر عام پر آئی۔

(۵) ''ابجد العلوم'' نواب صدیق حسن خاں کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب تین حصوں پر مشتمل ہے: 'الوشی المرقوم'، 'السحاب المرکوم' اور 'الرحیق المختوم'۔ پہلے حصے میں علم کی تعریف اس کی ماہیت وغیرہ سے بحث کی گئی ہے۔ دوسرے حصے میں حروف تہجی کے اعتبار سے مختلف علوم کی تعریف کی گئی ہے جبکہ تیسرے حصے میں مختلف علوم و فنون کے کبارِ علما کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے سرورق پر مقام اشاعت اور سال اشاعت کی جگہ پر مطبع صدیقیہ، بھوپال ۱۲۹۵ھ تحریر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب سنہ مذکور میں طبع ہوئی ہے، لیکن کتاب کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پہلے دو حصے (الوشی المرقوم اور السحاب المرکوم) ۱۲۹۵ھ (۱۸۷۹ء) میں لکھے گئے ہیں اور آخری حصہ (الرحیق المختوم) ۱۲۹۶ھ میں لکھا گیا ہے۔ کتاب کے آخر میں منظوم و منثور خاتمۃ الطبع ہیں جن کے خاتمے پر یہ عبارت درج ہے: ''قد تمّ کتاب ابجد العلوم بعنوان الله الملک القیوم فی ۱۲۹۶ الھجریۃ'' اس سے بھی یہ ظاہر ہے کہ یہ کتاب ۱۲۹۶ھ (۱۸۸۰ء) میں مکمل ہوئی۔

(۶) نقوی صاحب کے قلم سے نمبر (۲) کے مقابل میں حاشیے میں یہ عبارت درج ہے:

''سرباب بِدوارا سے۔۔۔ بدھوارا دروازہ مراد ہے''۔

(۷) نمبر (۳) کے مقابل میں نقوی صاحب نے پہلے حاشیے میں ''سرباب'' لکھا ہے۔ اس کے بعد درج ذیل تین شعر درج کیے ہیں:

نظیریؔ

خضر صد منزل بہ پیشم آمد و نشناختم
باز می باید ز سر گیرم رہِ پیمودہ را

یہاں ''باز می باید'' کے اوپر ''بارِ دگر'' تحریر ہے۔

غالبؔ:

باز بہ اطراف باغ آتش گل در گرفت
مرغ برسمِ مغاں زمزمہ از سرگرفت

رفت چو بر یک ہزار ہشت صد و سی و ہفت
معجزۂ عیسوی تازگی از سرگرفت

(۳)

۳/۱۱/۸۱

محب مکرم۔ آپ کا ۲۶/ اکتوبر کا خط ملا۔

۳۔ پہلے ''از سر'' کے بارے میں عرض کرتا ہوں۔ میں نے ''از سرباب بردارا'' لکھا تھا۔ جناب کاتب از گول کر گئے۔ تاہم میرا خیال تھا کہ یہ ''سرباب'' ہے یعنی دروازے کا پہلا یا اونچا حصّہ جیسے 'سرانگشت'۔ آپ نے قطعی ٹھیک لکھا ہے، یہاں 'از سر' سے مراد 'دوبارہ' ہی ہے۔ لغت سے بھی تصدیق ہوگئی۔ میرے علم میں اضافہ ہوا۔

۱۔ نماز گزارنا: آپ نے ''زبان اور روزمرہ کے کچھ اصول'' بتائے ہیں۔ میں شاید ان اصولوں سے واقف نہیں۔ آپ کہتے ہیں کہ ''نماز کردن'' سے 'نماز کن' نہیں بن سکتا مگر نماز گزاردن سے 'نماز گزار' بن سکتا ہے۔ ان دونوں ترکیبوں میں کون سے دو مختلف اصول کام میں لائے جائیں گے۔ آپ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکیں گے کہ 'نماز گزار' مستعمل ہے اور 'نماز کن' مستعمل نہیں۔ لیکن اصول میں فرق کیوں کر (ہوسکتا ہے)؟ آپ اگر نوراللغات دیکھتے تو آپ کو معلوم ہوجاتا کہ اس میں 'نماز کرنا' بمعنی 'نماز پڑھنا' درج ہے۔ ظاہر ہے یہ 'نماز کردن' ہی کا ترجمہ ہے۔ رشکؔ کا ایک شعر بھی بطور سند دیا ہے ؂

کرتے ہیں ہم نماز نیت پر سر جھکانا نہیں سلام نہیں

اب بتائیے کہ نماز گزاردن کا ترجمہ نماز گزارنا کیوں نہیں ہوسکتا؟ نوراللغات اور مہذب اللغات دونوں میں گزارنا کے معنی ادا کرنا دیے ہیں۔ پھر نماز گزارنا کے معنی نماز ادا کرنا کیوں نہیں ہوسکتے؟ اس کے لیے کسی استاد کی (اور وہ بھی جو آپ کی پسند کا ہو کیونکہ آپ جوشؔ صاحب کو تو استاد مانتے نہیں) کیوں ضروری ہے؟ پھر بھی اگر آپ سند ہی پر بہ ضد ہیں تو اٹھائیے فرہنگ آصفیہ اور دیکھیے گزارنا بمعنی ادا کرنا۔ جیسے ''نماز گزارنا''۔

کہیے کہ جوش صاحب نے ''نماز گزار چکے'' محض قافیے کی مجبوری سے روا رکھا یا یہ کہ انھیں اس

کے درست ہونے میں کوئی شبہہ نہ تھا؟

۲۔تسلّی ہونا: آپ فرماتے ہیں کہ ”آپ نے ان (غالب) کے یہاں سے اردو کا ایک شعر نقل فرمایا ہے، فارسی کے دو شعر مجھ سے سن لیجیے“۔عرض ہے کہ یہ دونوں شعر میں مدت ہوئی تسلّی نہ ہوا کے سلسلے میں استعمال کر چکا ہوں۔ میری زیر طبع کتاب ”غالبیات ۔ چند عنوانات“ میں بھی ان میں سے ایک شعر شامل ہے۔یہ اشعار میں نے جگر تشنہ کے سلسلے میں ڈاکٹر گیان چند جین صاحب سے خط و کتابت کے دوران استعمال کیے تھے۔

۴۔بھوپال کے دروازوں کے بارے میں آپ کی فراہم کردہ معلومات نوٹ کر لی گئی ہیں۔ فی الحال یہ میرے کسی موضوع سے متعلق نہیں ۔ضرورت پڑی تو یقیناً ان سے استفادہ کروں گا۔شکریہ

۵۔مآثر صدیقی (۱) میرے کتب خانے میں موجود ہے۔یہ نام (ربیع الادب) (۲) ان میں شامل ہے۔ مجھے اس کا عرصے سے علم (تھا میں نے آپ سے) صرف یہ دریافت کیا تھا کہ آپ کی نظر سے گزری ہے کہ نہیں؟ سو معلوم ہوا کہ آپ کے علم میں نہیں۔یہ قلمی نسخہ میرے کتب خانے میں موجود ہے۔

۶ ۔مرحوم ڈاکٹر صفدر آہ میرے یہاں سے کچھ کتابیں لے گئے تھے (کلیات میر، حیاتِ دبیر، المیز ان وغیرہ) ان میں ”دری کشا“ کا نسخہ بھی تھا۔اب وہ مرحوم ہو گئے تو کس سے مانگوں۔لکھیے کہ اگر آپ اپنے نسخے (دری کشا) کا فوٹو اسٹیٹ بھجوانا منظور فرمائیں، کیا خرچ ہوگا؟ تا کہ وہ رقم آپ کو پیشگی بھیج سکوں اور میرا غالب کلکشن مکمل تر ہو سکے۔

میں نے یہ بھی دریافت کیا تھا کہ کیا آپ نے ”کرامت بیدل“ نام کا کوئی رسالہ مطبوعہ یا غیر مطبوعہ دیکھا ہے؟ مجھے اس کی ضرورت ہے۔

مخلص

کالی داس گپتا رضاؔ

نوٹ: میرے کاروباری مصروفیات ایسے ہیں کہ فرمایشی مقالے اور طویل خط و کتابت سے گریز کرتا ہوں۔تاہم ضروری بات ہوگی تو جواب دینے کی کوشش کروں گا۔رضاؔ

....

قلابین کی عبارت اصل خط میں کرم خوردہ ہے۔راقم نے موجودہ الفاظ قیاسی طور پر درج کیے ہیں۔

(۱) مرادِ ''مآثر صدیقی'' (سوانح وتنقید نواب صدیق حسن خاں) جو کہ نواب صدیق حسن خاں کے صاحبزادے محمد علی حسن خاں کی تصنیف ہے، یہ کتاب نول کشور پریس لکھنؤ سے ۱۹۲۴ء میں شائع ہوئی۔

(۲) ربیع الادب: یہ رسالہ نواب صدیق حسن خاں کی تالیف ہے۔ کالی داس گپتا رضاؔ صاحب نے اپنی کتاب ''غالب اور غالبیات کے بارے میں کچھ اور'' میں اس کے خطی نسخے کا تعارف کرایا ہے۔ یہ خطی نسخہ ان کے ذخیرۂ کتب میں موجود تھا۔

(۴)

۸۶/۴/۳

محب مکرم تسلیم، آپ کا ۲۴ مارچ کا لکھا ہوا خط موصول ہوا۔ منشی نول کشور کی زندگی میں شائع شدہ ایڈیشنوں کی تفصیل (جو میرے کتب خانے میں موجود ہیں) یہ ہے:

۱۔ کلیاتِ غالب: ۱۸۶۳ء طبع دوم میں* میرے یہاں موجود نہیں، ۱۸۷۲ء (اس پر طبع سوم درج نہیں۔ سرورق پر مطبع نولکشور درج ہے اور خاتمہ ص ۵۵۶ پر لکھا ہے ''بماہ جنوری ۱۸۷۲ء در مطبع اودھ اخبار'' لکھنؤ۔ اس سے پہلے (یہ عبارت قابلِ توجہ ہے ''خریداران.... از کارفرمائے مطبع درخواستند کہ بارِ دگر ایں عروس زیورِ طبع پوشد....) گویا ۱۸۷۲ء والا ایڈیشن حقیقت میں دوسرا نول کشوری ایڈیشن ہے۔ ۱۸۸۳ء ایڈیشن میرے یہاں موجود نہیں، ۱۸۹۳ء میرے خیال میں چوتھا ایڈیشن ہوگا پانچواں نہیں۔ اگرچہ اول آخر دوسرا ایڈیشن لکھا ہے مگر یہ یقیناً نادرست ہے۔

۲۔ کلیات نثر غالب: خاتمۃ الطبع؟ ۱۸۸۴ء۔ ۱۸۶۸ء، ۱۸۷۱ء، اپریل ۱۸۸۴ء (یہ مطبع نولکشور کا تیسرا (سہ بارہ) ایڈیشن ہے)، اپریل ۱۸۸۸ء۔ یہ چاروں مطبع نولکشور لکھنؤ سے چھپے۔ ۱۸۷۵ء والا ایڈیشن طبع سوم نہیں بلکہ مطبع نول کشور کانپور کا پہلا ایڈیشن ہے۔

۳۔ دیوان اردو۔ نومبر ۱۸۷۳ء، ۱۸۷۷ء (اول III)، ۱۸۸۱ء (میرے پاس نہیں)، دسمبر ۱۸۸۳ء، ۱۸۸۶ء (میرے پاس نہیں) اور کانپور سے جولائی ۱۸۸۷ء میں پہلی بار۔

۱۸۷۹ء II؟

ا۔ ''بمقام لکھنؤ بار چہارم ماہ اگست ۱۸۷۷ء میں چھپ کر تیار ہوا'' خاتمۃ الطبع

II۔ میرے کتب خانے میں ایک قدیم دیوان غالب ہے جس کے پہلے ۱۲ صفحے کم ہیں اور آخر کا ایک ورق۔ عرصہ ہوا میں نے جس سے خریدا تھا اُس کے کیٹ لاگ میں ۱۸۷۹ء درج تھا اور مطبع نولکشور لکھا تھا مگر اب یہ آخری ورق بھی دیمک نے چاٹ لیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ ۱۸۷۹ء ہی کا ایڈیشن ہے لیکن میرے پاس شہادت کے لیے کچھ ثبوت نہیں سوائے اس کے کہ اس کی کتابت باقی تمام نولکشوری ایڈیشنوں کی کتابت سے مختلف ہے اگرچہ سائز وہی ہے۔

III۔ میرے ۱۸۷۷ء کے ایڈیشن کے سرورق پر ''جلی حروف میں بارِ دوم'' لکھا ہوا نہیں ہے۔ میں نے اسے بغور دیکھا ہے۔

۴۔ عودِ ہندی۔ ۱۸۷۸ء (میرے پاس نہیں)، ۱۸۸۱ء، ۱۸۸۷ء

اطلاعاً عرض ہے کہ میرے غالب کلیکشن میں کلیاتِ غالب کے ۱۴/ ایڈیشن، کلیاتِ نثر غالب کے ۱۰/ ایڈیشن، دیوانِ اردو کے ۱۳۹/ ایڈیشن اور عودِ ہندی کے ۲۹/ ایڈیشن موجود ہیں۔

میں نے بزنس کی بھاگ دوڑ کے دوران میں یہ خط لکھا ہے ہوسکتا ہے کوئی بات چھوٹ گئی ہو یا اس کا آپ کو خاطر خواہ جواب نہ ملا ہو۔ براہِ کرم دوبارہ تحریر فرمائیں۔ امید کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔

مخلص

کالی داس گپتا رضاؔ

* میرا خیال ہے یہ درست نہیں کہ ۱۸۶۳ء تا ۱۸۷۲ء کوئی ایڈیشن شائع ہوا ہے۔ رضاؔ

(۵)

۱۴/ ۴/ ۸۶

محب مکرم۔ تسلیم کرم نامہ ۹/ اپریل ۱۹۸۶ء ملا۔ مجھے آپ کے اس بیان سے اتفاق ہے کہ نول کشوری ایڈیشنوں کے خاتمۃ الطبع کے 'بارِ دگر' کے قسم کے اندراجات زیادہ قابلِ اعتبار نہیں۔ بہر حال آپ کے استفسارات کا جواب یہ ہے۔

ا۔ کلیاتِ غالب۔ ۱۸۸۴ء ایڈیشن۔ تعداد صفحات ۴۱۸۔ قطعہ در بیان روشنی دہلی بر صفحہ ۱۳۴۔ فرہنگ ص ۴۱۴ تا ۴۱۶۔ خاتمۃ الطبع ص ۴۱۷۔ عیش کا قطعہ موجود نہیں، تسلیم،

اشرفؔ اور جوشؔ کے قطعات ص ۴۱۸۔ ان تینوں کے سوا اور کوئی قطعہ شامل نہیں۔

۱۸۶۸ء اور ۱۸۸۴ء کے خاتمۃ الطبع میں فرق ہے۔

۱۸۶۸ء	۱۸۸۴ء
المشہور فی المشارق والمغارب چنانکہ بماہ جنوری ۱۸۶۸ مطابق شہر رمضان المبارک ۱۲۸۴ھ۔	المشہور فی المشارق والمغارب مغفور ومبرور چنانکہ...سہ بارہ بماہ اپریل ۱۸۸۴ء مطابق شہر جمادی الاخریٰ ۱۳۰۱ھ۔
قطعہ تاریخ لراقمہ	(کوئی قطعہ درج نہیں)

زہے دیں کلیاتِ نثر غالب
کہ شد مسرور ہر طبعے ز طبعش
رقم زد عیش سال از روے انصاف
بود مطبوع دہلی نثر دلکش

۱۲۸۴ھ

تمت	تمت
سرورق (پہلا) کاغذ دبیز ص درج نہیں	سرورق ص درج نہیں
گزارش	(پہلا۔ کاغذ کا رنگ گلابی مائل)
فہرست کلیاتِ غالب ص درج نہیں	پشت خالی
(فہرست جاری) ص ۲	سرورق (۱) ص درج نہیں
	(دوسرا کاغذ سادہ)
سرِ ورق (دوسرا) (۱) ص درج نہیں	شروع (۲) ص درج نہیں
متن شروع (۲) ص درج نہیں	متن جاری ص ۳
متن جاری ص ۳	

۲۔ دیوان اردو۔ ۱۸۷۷ء ایڈیشن۔ میرے نسخے کا سرورق صرف ایک ہی ہے۔ اس میں دیوانِ غالب اردو کے نیچے قطعی باردوم یا کوئی اور لفظ نہیں لکھا ہے۔ صرف آخر میں ''مطبع

نامی منشی نول کشور میں بطبع مزین مطبوع ہوا'' درج ہے۔ ۲۱ سطری مسطر درست ہے اور صفحے بھی ۱۰۳ ہی ہیں۔ طیار کو اگر میں نے تیار لکھا ہے تو یہ سہو ہے۔ خاتمۃ الطبع اگرچہ قدرے جلی خط میں ہے مگر ''خدا کا شکر ہے'' کے پہلے اس طرح ملا کر لکھا ہے کہ وہ ''خدا کا شکر ہے'' ہی کا حصہ معلوم ہوتا ہے۔ دیوان کے آخر میں (۱۰۴ صفحے، جو خالی ہے، کے بعد) ایک دبیز کاغذ پر فہرست کتب کے دو صفحے (۳/اور ۴۔ شاید ۱/اور ۲ لکھے ہی نہیں گئے یا ضائع ہو گئے) ہیں۔

دیوانِ غالب اردو ۱۸۸۱ء میرے یہاں موجود نہیں۔ کوئی اور خدمت ہو تو ضرور یاد فرمائیں۔

مخلص

کالی داس گپتا رضاؔ

(۶)

۱۲/۱/۸۷

محب مکرم۔ ابھی آپ کا کرم نامہ موصول ہوا۔

۱۔ کریم الدین کے تذکرے کا نام ''طبقات الشعرائے ہند'' ہی ہے۔ میرے پیشِ نظر اصل تذکرہ بھی ہے، عطا کاکوی کی ہوئی تلخیص تذکرہ بھی۔ اردو تذکروں کا تذکرہ نمبر (نگار) بھی۔ سب میں 'طبقات الشعرائے ہند' ہی لکھا ہوا۔ لہٰذا میں آپ کے موقف سے اتفاق نہیں کر سکتا۔ آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ شوق سنبھلی کے تذکرے کا نام بھی 'طبقات الشعرا' ہی ہے اور اس نے اپنے تذکرے میں ایک جگہ 'طبقات الشعرائے ہند' بھی لکھا ہے۔

۲۔ ''تصانیفِ شیفتہ'' والا آجکل کا شمارہ (۱) میرے سامنے نہیں۔ میں نے اپنا مسودہ نکال کر دیکھا تو اس میں عنوان ''رہ آورد'' ہی دیا ہے۔ بہر حال اس کی تشریح میں نے مضمون ہی میں کر دی تھی۔

۳۔ گلشن بے خار (پہلا ایڈیشن ۱۲۵۳ھ) کے کوائف کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ دراصل میں نے ''تصانیفِ شیفتہ'' میں انہیں تصانیف کا ذکر کیا ہے جو میرے کتب خانے میں موجود ہیں۔

۴۔ ''شانِ ہند'' کا شمارہ جب میری نظر سے گزرا تو میں نے فوراً تردیدی خط لکھ دیا تھا۔

اب جبکہ غالب لیکچر دینے کے لیے میں غالب اکاڈمی بستی نظام الدین میں گیا تو وہاں سرور تونسوی (۲) صاحب سے ملاقات ہوئی۔ وہاں بھی میں نے صفائی کردی تھی۔ میں دلی بہت کم جاتا ہوں مگر جب جاتا ہوں تو سرور صاحب سے بھی ان کے مکان پر ملتا ہوں وہ میرے مکان پر مجھے بمبئی میں ملتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے بارے میں انہوں نے کسی اور سے پوچھا ہوگا اور میرا نام یاد رہ گیا۔ ورنہ مجھ سے تو بات بھی نہیں ہوئی۔ انھوں نے کہا تھا کہ وہ میرا خط شانِ ہند میں چھاپ دیں گے۔ بہرحال آپ خاطر جمع رکھیں میری طرف سے ایسی کوئی بات نہیں ہوئی کیونکہ اگر ہوتی تو یہ خلافِ واقعہ ہوتی۔ امید کہ آپ کا مزاجِ گرامی بخیر ہوگا۔ میرے لائق خدمت ہو تو ضرور لکھیں۔

مخلص

کالی داس گپتا رضاؔ

....

(۱) ''تصانیف شیفتہ'': گپتا رضاؔ صاحب کا یہ مضمون رسالہ آج کل، نومبر ۱۹۸۶ء میں شائع ہوا تھا۔ اس مضمون میں انہوں نے شیفتہ کی درج ذیل تصانیف کا تعارف کرایا ہے: ۱۔ اولین تصنیف دیوان ریختہ، ۲۔ گلشن بے خار، ۳۔ برہ آورد (کذا = رہ آورد)، ۴۔ دیوان ورقعاتِ فارسی، ۵۔ کلیات شیفتہ وحسرتی۔ یہ مضمون ان کی کتاب ''اسداللہ خاں غالبؔ مرد'' (۱۹۹۱ء) میں بھی شامل ہے۔

(۲) سرورتونسوی: ودیا پرکاش سرورتونسوی کی پیدائش ۲۱ر جنوری ۱۹۱۵ء کو لائل پور میں ہوئی۔ ''شانِ ہند'' کے نام سے ایک ماہنامہ نئی دہلی سے نکالتے تھے۔ جس کا ذکر اس خط میں بھی ہوا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ پروفیسر حنیف نقوی نے ''غالبؔ کے خطوط'' مرتبہ ڈاکٹر خلیق انجم (ج ۱) پر دو ماہی اکادمی لکھنؤ میں تبصرہ لکھا تھا جو قسط وار ستمبر، اکتوبر ۱۹۸۶ء، نومبر، دسمبر ۱۹۸۶ء اور جنوری، فروری ۱۹۸۷ء کے شماروں میں شائع ہوا تھا۔ (جس کا ذکر گپتا رضاؔ صاحب نے مکتوب نمبر ۸ (مورخہ ۱۰ر۱۰ر۱۹۸۸) میں کیا ہے) سرورتونسوی صاحب نے اس کے ردِ عمل میں اپنے رسالہ شانِ ہند میں اپنی رائے شائع کی تھی جس میں ان کا انداز ادبی سے زیادہ معاندانہ تھا۔ گپتا رضاؔ صاحب نے اسی سلسلہ میں تردیدی خط تونسوی صاحب کو لکھا تھا، سرورتونسوی صاحب کی وفات ۲۳ر مئی ۱۹۹۲ء کو دہلی میں ہوئی۔

(۷)

۲۸/۱/۸۷

محب مکرم تسلیم اگر ''طبقات الشعرائے ہند'' کے بارے میں یہی وضاحت پہلے

تحریر فرماتے جواب آپ نے اپنے خط مورخہ ۱۸؍جنوری میں بھیجی ہے تو میں آپ سے متفق کیوں کر نہ ہوتا۔ غالب نے کہا تھا ''میں عربی کا عالم نہیں مگر نرا جاہل بھی نہیں''۔ مگر میں عربی زبان کے معاملے میں ''نرا جاہل'' ہوں۔ اب جو آپ نے بات سمجھائی تو فوراً سمجھ میں آ گئی مگر آپ کو یہ بات ''ہماری زبان'' ایسے رسالے میں زیر بحث لانی چاہیے جہاں عربی جاننے والے آپ کی تائید کر سکیں۔ میں اس امر میں قطعی اپنی کم آگہی کے سبب، آپ کی تائید کرنے سے قاصر ہوں۔ مگر یہ نکتہ ہے اہم۔

میں نے جس موقف کے بارے میں لکھا تھا وہ یہ تھا کہ حوالے کے لیے وہی نام دیا جا سکتا ہے جو کتاب کے سرورق پر تحریر ہے۔ چاہے وہ غلط ہی کیوں نہ ہو ورنہ حوالے کی شناخت مشکل ہو جائے گی۔

تذکروں کا تذکرہ نمبر ص ۵۸ پر حاشیے میں لکھا ہے ''شوق نے تذکرۃ الشعرائے ہند بھی لکھا ہے''۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شوق نے اصل میں ''طبقاتِ شعراء ہند'' ہی لکھا ہے، کاتب نے یا فرمان فتح پوری صاحب نے اسے غلط درج کر دیا ہوگا۔

مجھے خوشی ہے کہ آپ کی عربی استعداد اس پائے کی ہے۔ یہ تو گویا میرے حق میں اچھا ہی ہوا۔ آئندہ کبھی عربی کے بارے میں پوچھنا ہوگا تو زحمت آپ ہی کو دوں گا۔

میرے لائق کوئی خدمت ہو تو ضرور لکھیں۔ میں درس و تدریس کا آدمی نہیں اس لیے کاروباری آدمی سے علمی ادبی غلطیاں کچھ زیادہ ہی سرزد ہو جاتی ہیں۔ کالی داس گپتا رضاؔ

(۸)

۱۰/۱۰/۸۸

محب مکرم۔ تسلیم ۶؍اکتوبر کا کرم نامہ موصول ہوا۔ آپ نے غالبیات پر میرے کام کو پسند کیا ہے اس کے لیے ممنون ہوں۔ میرا کوئی حلقہ نہیں کہ مرے کام کی بیک آواز داد دے۔ یوں بھی مجھے ہر کہ و مہ سے داد نہیں چاہیے۔ اگر وہ دانشور جن کی قدر مرے دل میں ہے، داد دیں تو دل بڑھتا ہے۔ دیوانِ غالب (کابل) کے لیے ہر طرف سے داد و تحسین برس رہی ہے مگر میں نے ''دیوانِ غالب کامل تاریخی ترتیب سے'' (۱) آپ کو اس لیے بھیجا ہے کہ آپ

اسے بہ نظرِ اصلاح دیکھیں تاکہ دوسرے ایڈیشن میں شکریے کے ساتھ ترمیم کردی جائے۔ میں نے اس کام پر محنت کی ہے۔ میں نے اسے عجلت میں شائع نہیں کیا تاہم اس کے بعض مقامات کا مجھے علم ہے کہ ان پر مزید روشنی ڈالنے کی ضرورت ہے۔ دیوان کو شائع کرنے کا ایک مقصد تو یہ ہے ہی کہ جہاں جہاں مجھ سے چوک ہوگئی ہے، دوست احباب اس کی نشاندہی کرسکیں تاکہ دوسرا ایڈیشن خوب تر ہو۔ اس لیے آپ میری جتنی مدد کریں گے وہ میرے شکریے کی مستحق ہوگی۔

دسمبر ۸۷ میں جب میں بنارس پہنچا تو آپ لکھنؤ چلے گئے۔ میں لکھنؤ پہنچا اور آپ بنارس واپس آ گئے۔ لکھنؤ میں میں کسی سے نہیں ملا، نہ مجھے کسی سے ملنا ہی تھا۔ جبکہ بنارس میں محب گرامی ڈاکٹر حکم چند نیر صاحب اور جناب سرسوتی سرن کیف (۲) نے بہت خاطر تواضع کی۔ میں ان کا ممنون ہوں۔

نول کشور اور دیوان غالب کی اشاعتوں والا مضمون کہیں گیا تھا کہ نہیں۔ اگر چھپ گیا تھا تو کہاں؟ اس کی ایک کاپی بھجوائیں۔

تقریباً ایک ماہ پہلے، بہت کوششوں کے بعد، دو ماہی ''اکاڈمی'' کے شمارے ملے جن میں ''غالب کے خطوط'' پر آپ کا کیا ہوا تبصرہ بھی شامل ہے (تینوں قسطیں)۔ یہ تبصرہ محض پڑھنے کی چیز نہیں ہے بلکہ استفادے کی ہے۔ میں نے ان تینوں کی جلد بندی کرا کے (زیراکس) ''غالب کے خطوط'' حصہ اول کے ساتھ ہی رکھ دیے ہیں۔ اب وہاں سے کوئی حوالہ تبصرے سے مقابلہ کیے بغیر قابل قبول نہیں رہا۔ اس تبصرے پر خلیق انجم صاحب کو آپ سے قطعی ناراض نہیں ہونا چاہیے۔ علم و ادب میں اضافہ تو ہر قدم پر قابل صد تحسین ہے۔ حصہ دوم پر اور حصہ سوم پر بھی تبصرے جلد شائع ہوجانے چاہئیں۔

آپ کے وہاں لائبریری میں دیوان عیشؔ اور دیوان عارفؔ کے مخطوطے ہیں۔ کیا ان کا زیراکس مل سکتا ہے؟ اور کیا خرچ آئے؟

ڈاکٹر نیر صاحب (۳) کو نمستے۔

مخلص

کالی داس گپتا رضاؔ

....

(۱) دیوانِ غالب کامل تاریخی ترتیب سے: یہ کالی داس گپتا رضاؔ صاحب کا مرتبہ دیوانِ غالب ہے۔اس کی پہلی اشاعت ساکار پبلشرز لمیٹیڈ سے فروری ۱۹۸۸ء میں عمل میں آئی۔اس کے بعد اس کی دو اشاعتیں اور عمل میں آئیں ایک ۱۹۹۰ء میں اور دوسری فروری ۱۹۹۵ء میں۔

(۲) سرسوتی سرن کیفؔ کی ولادت ۲۰ مارچ ۱۹۲۲ء کو اتر پردیش کے مین پوری میں ہوئی۔کیف صاحب کی ادبی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔وہ شاعر بھی ہیں، صحافی بھی، نقاد بھی ہیں اور مترجم بھی۔ان کے اردو میں دو شعری مجموعے ہیں ایک ''شعورِ لاشعوری'' اور دوسرا ''بازگشت''، دو شعری مجموعے فارسی میں بھی ہیں ایک ''لذت کرب'' اور دوسرا ''خمارِ زیست''۔وہ اردو، ہندی اور انگریزی تینوں زبانوں کے اخبارات و رسائل سے وابستہ رہے۔ ان کی متعدد تصانیف ہیں ان میں سے ''چکبست'' (یہ کتاب اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں ساہتیہ اکادمی سے بالترتیب ۱۹۸۶ء اور ۱۹۸۸ء میں شائع ہوئی)، Mirza Ghalib, The Poet of Poets (۱۹۷۶ء) Development of Urdu Poetry (۱۹۹۰ء) قابل ذکر ہیں۔ان کا ایک قابل ذکر کام یہ بھی ہے کہ انھوں نے میر، سودا، درد، نظیر، ذوق، اکبرالہ آبادی، داغ، حسرت، چکبست، فانی کے کلام کو اردو سے دیوناگری رسم الخط میں منتقل کیا ہے۔ ۲۳؍ جولائی ۲۰۰۷ء کو بھوپال میں ان کی وفات ہوئی۔(بشکریہ جناب وسیم حیدر ہاشمی صاحب، بنارس۔مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ''سرسوتی سرن کیف: حیات اور ادبی خدمات'' از ڈاکٹر خالد مجید، بھوپال، ۲۰۱۰ء)

(۳) ڈاکٹر نیر صاحب: پروفیسر حکم چند نیر ۸؍ فروری ۱۹۳۱ء کو غیر منقسم ہندوستان کے مٹھن کوٹ ضلع ڈیرہ غازی خاں میں پیدا ہوئے۔تقسیم کے بعد ان کا خاندان ہجرت کرکے گڑگاؤں (ہریانہ) آ گیا۔انھوں نے ابتدائی تعلیم اپنے گھر ہی پر حاصل کی۔پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔اے اردو اور فارسی کے امتحانات پاس کیے۔۱۹۶۰ء میں بنارس ہندو یونیورسٹی میں لکچرر مقرر ہوئے۔۱۹۹۱ء میں اسی یونیورسٹی کے شعبۂ اردو سے بحیثیت صدر ملازمت سے سبک دوش ہوئے۔ان کے دورِ صدارت میں شعبۂ اردو نے بہت ترقی کی۔ان ہی کی کوششوں سے شعبۂ اردو کو مستقل حیثیت حاصل ہوئی۔اس سے قبل عربی، فارسی اور تینوں زبانوں کا ایک ہی شعبہ تھا۔اس کے بعد نیر صاحب کی کوششوں سے اکیڈمک کونسل سے بی۔اے اور ایم۔اے میں اردو پڑھانے کی منظوری حاصل ہوئی۔ وہ مختلف اداروں اور اکیڈمیوں کے رکن رہنے کے ساتھ ساتھ ۱۹۸۱ء سے ۱۹۸۶ء تک اتر پردیش اردو اکادمی کے وائس چیرمین بھی رہے۔سرور جہاں آبادی پر انھوں نے ڈاکٹر گیان چند جین کی نگرانی میں پی ایچ۔ڈی کا

تحقیقی مقالہ لکھا جو ''سرور جہاں آبادی حیات اور شاعری'' کے نام سے کتابی صورت میں شائع ہوا۔ ۱۷/ اکتوبر ۱۹۹۲ء کو آگرہ میں وفات پائی۔

(۹)

۱۵/۱۱/ ۱۹۸۸

محب مکرم تسلیم

۱۰/ اکتوبر کو ایک خط آپ کی خدمت میں لکھا تھا۔ مل گیا ہوگا مگر جواب سے ابھی تک محروم ہوں۔ اس میں میں نے یہ بھی دریافت کیا تھا کہ '' آپ کے وہاں لائبریری میں دیوانِ عیش اور دیوان عارف کے مخطوطے ہیں۔ کیا ان کا زیروکس مل سکتا ہے؟ اور کیا خرچ آئے گا''۔

کیا آپ کا مضمون جو دیوانِ غالب نول کشور سے طبع ہونے والے نسخوں پر لکھا جانے والا تھا، کہیں چھپا تھا؟ اگر چھپا تھا تو ایک کاپی عنایت فرمائیں۔ مخلص

ڈاکٹر نیر صاحب کو نمستے کالی داس گپتا رضاؔ

(۱۰)

۱۸/۱/ ۸۹

مکرمی تسلیم

آپ کے گذشتہ خط سے امید بندھی تھی کہ عیش اور عارف کے دواوین کا فوٹو اسٹیٹ اب مل سکے گا۔ کیا اس کا کچھ امکان ہے کہ اسی ماہ دستیاب ہو جائیں۔

اخراجات کیا ہوں گے؟

کس صورت میں اور کس کے نام بھیجے جائیں؟

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ مخلص

کالی داس گپتا رضاؔ

نوٹ: میری طبیعت عرصہ ڈیڑھ ماہ سے خراب چل رہی ہے۔ ریڑھ کی ہڈی میں تکلیف ہونے کی وجہ سے چلنے پھرنے سے معذوری ہے۔ رضاؔ

(۱۱)

۱/۲/۸۹

محب مکرم تسلیم کئی روز سے آپ کا خط مورخہ ۶/ جنوری اور اس کے ساتھ اور بہت کچھ مل چکا ہے۔ میری صحت عرصہ دو ماہ سے مخدوش چلی آرہی ہے اس لیے فی الحال کام کرنے کی رفتار بہت دھیمی ہے۔ تاہم آپ کا بھیجا ہوا تمام مواد پڑھ لیا۔ آپ کی ژرف بینی قابل داد ہے۔

تلاش وتعارف (۱) کے بیشتر مضمون پہلے پڑھ چکا تھا۔ اب ایک ساتھ پڑھنے سے لطف دوبالا ہوگیا۔ ''منشی نول کشور اور غالب'' (۲) میں مزید اضافے کا امکان ہے۔ کہیں سے کتابیں آرہی ہیں۔ مل جانے پر اگر کچھ نکلا تو اطلاع دوں گا۔

آپ کے مضامین میں ''غالب کا سفر کلکتہ'' بہترین مضمون ہے۔ ''غالب کا سال ولادت؟'' آپ نے اپنا نقطۂ نظر پیش کردیا ہے لیکن جو محنت آپ نے اس پر کی ہے شاید یہ اس کا متقاضی نہ تھا۔ اگر ۸/ رجب آپ کو قبول ہے تو شورش شوق، غریب (۳) اور تاریخا (۴) ایسی مضبوط شہادتوں کے بعد ۱۲۱۲ھ (۵) میں کوئی تامل نہیں ہونا چاہیے ۔ بہرحال دیکھیے ماہرین غالبیات کیا کہتے ہیں۔ میں تو ماہرین غالبیات کے ٹخنوں تک نہیں آتا۔

دیوان عیش اور دیوان عارف کے فوٹو اسٹیٹ اگر نہیں مل رہے تو جانے دیجیے زیادہ بھیک مانگنے کی ضرورت نہیں۔ اس سلسلے میں آپ کو جو زحمت ہوئی اس کے لیے معذرت چاہتا ہوں۔ کوئی خدمت ہو تو لکھیں۔ مخلص

کالی داس گپتا رضاؔ

---

(۱) ''تلاش وتعارف'' نقوی صاحب کے تحقیقی مضامین کا مجموعہ۔ ۱۹۸۷ء میں نصرت پبلشرز، لکھنؤ سے شائع ہوئی۔

(۲) ''منشی نول کشور اور غالب''، یہ مضمون نقوی صاحب کی کتاب ''غالب ۔ احوال وآثار'' میں شامل ہے، منشی نول کشور اور غالبؔ کے تعلقات اور نول کشور پریس سے غالب کے کلیات ودواوین کی اشاعتوں کے ذکر پر مشتمل۔

(۳) ''شورش شوق''، ''غریب'' سے مراد ''کلیاتِ نظم فارسی'' (غالب) کے خاتمے میں موجود رباعی کے الفاظ ہیں

جن سے غالب کا سال ولادت ۱۲۱۲ھ ظاہر ہوتا ہے۔ رباعی درج ذیل ہے:

غالب چو ز ناسازیِ فرجامِ نصیب
هم بیمِ عدو دارم و هم ذوق حبیب
تاریخ ولادتِ من از عالمِ قدس
هم "شورشِ شوق" آمد و هم لفظ "غریب"

(۴) "تاریخا" یہ لفظ عالم مارہروی کو لکھے گئے غالب کے درج ذیل شعر میں شامل ہے:

ہاتفِ غیب شب کو یوں چیخا
ان کی "تاریخ" میرا "تاریخا"

"لفظ "تاریخ" سے ۱۲۱۱ھ (جو کہ عالم مارہروی کا سالِ ولادت ہے) اور "تاریخا" سے ۱۲۱۲ھ برآمد ہوتا ہے جو بقول غالب ان کا سالِ ولادت ہے"۔ (مضمون "غالب کا سالِ ولادت" مشمولہ "غالب۔احوال وآثار"، پروفیسر حنیف نقوی، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ۲۰۰۷ء)

(۵) غالب کے سال ولادت کے سلسلے میں نقوی صاحب کی رائے تھی کہ یہ ۱۲۱۲ھ کے بجائے ۱۲۰۸ھ ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: مضمون "غالب کا سالِ ولادت" مشمولہ "غالب۔احوال وآثار"، پروفیسر حنیف نقوی، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ۲۰۰۷ء)۔

(۱۴)

۱۴/۷/۸۹

محب مکرم تسلیم۔ سب سے پہلے عیدالاضحیٰ کی مبارک باد۔ دیوانِ غالب کامل میں کئی غلطیاں راہ پا گئی ہیں۔ بیشتر پروف ریڈر یا کاتب کا سہو ہے۔ ایک سرسری فہرست تیار کر رہا ہوں۔ آپ کو بھیجوں گا۔ وہ تو درست کر ہی لیجے گا مگر دوسرے ایڈیشن کو بھی نظر میں رکھیے گا۔ چاہتا ہوں کہ دوسرا ایڈیشن اطمینان سے نکالوں اور ایسا نکالوں کہ غلطی کم سے کم ہو۔ مجھے اپنی سبکی کی پروا نہیں کام کی پروا ہے۔ اسی لیے سب دیدہ وروں کی توجہ کا طالب ہوں۔

جی چاہتا ہے کہ پھر اسی خواہش کا اعادہ کروں کہ اگر حالات سازگار ہوں تو دیوانِ عیش اور دیوانِ عارف کا زیروکس حاصل کر کے ارسال فرمائیں۔ دیکھیے......

مولوی الٰہی بخش کی نیرنگ سخن (تین حصے) میرے کتب خانے میں نہیں۔ آپ کی ایک

کتاب پریس میں تھی۔کیاوہ چھپ گئی؟شاید کسی کو پیش لفظ لکھنے کے لیے دی تھی۔

واں پہنچ کر جو غش آتا پے ہم (پیہم) ہے ہم کو

یہاں پئے ہم کہنا درست نہ ہوگا

ترے خیال سے روح اہتزاز کرتی ہے

بجلوہ ریزیِ باد و بہ پر فشانیِ شمع

بجلوہ اور بہ پرفشاں دونوں میں بائے قسمیہ ہے اس لیے میرے خیال میں پر کہنا چاہیے

بہ پرے نہیں۔آپ کی کیا رائے ہے۔ رضا

(۱۳)

۹۰/۳/۲۶

محب مکرم۔تسلیم ۲۲/مارچ کا کرم نامہ ابھی موصول ہوا۔غالب کے سالِ ولادت (۱) والے مضمون پر آپ برہم نہ ہوں۔میں نے آپ کے مضمون کا لفظ لفظ ایک بار نہیں کئی بار پڑھا تھا۔میں نے اسے کلی طور پر رد نہیں سمجھا۔یہی وجہ ہے کہ میں نے اپنے مضمون کو آپ کے مضمون کا جواب نہیں بنایا۔ابھی بہت وقت باقی ہے۔یہ مسئلہ اتنا معمولی نہیں۔جو کچھ میں نے لکھا ہے اسے جھٹلایا نہیں جاسکتا۔آپ کے نتائج بھی اسے جھٹلانے میں کامیاب نہیں۔ہمیں چاہیے کہ اس مسئلے پر ٹھنڈے دل سے اور مزید وقفہ دے کر دوبارہ سوچیں۔آپ کے دلائل جہاں جہاں مضبوط ہیں وہ میری نظر میں ہیں۔مطمئن رہیں۔میں نے اکثر محققوں سے اس بارے میں تبادلۂ خیالات کیا ہے۔ان میں سے کوئی آپ کے موقف کے حق میں نہیں لیکن مجھے ان کی رائے سے غرض نہیں۔آپ بھی اس مسئلے پر جذباتی نہ ہوں۔مضمون کے لیے آپ کو میں نے عرصہ ہوا لکھا تھا کہ میں آپ کی محنت کی داد دیتا ہوں مگر نتائج سے متفق نہیں مگر اس کا ڈھنڈورہ نہیں پیٹتا۔

آپ نے لکھا ہے ''قدرت اس طرح کم لوگوں پر مہربان ہوتی ہے (جیسے مجھ پر ہے) یا یوں کہیے کہ اس قسم کے مواقع کم لوگوں کو نصیب ہوتے ہیں (جیسے مجھ کو نصیب ہیں)''۔اس سے آپ کی کیا مراد ہے؟کیا آپ بھی میرے کام کو میرے تمول (جو ایک مفروضہ ہے) ہی کی دین سمجھتے ہیں؟ آپ یا دوسرے دانشور میرے دکھ درد سے کتنی واقفیت رکھتے ہیں؟

مخلص

کالی داس گپتا رضاؔ

....

(۱) کالی داس گپتا رضاؔ صاحب کا یہ مضمون ''غالب کی تاریخ ولادت'' کے عنوان سے ان کی کتاب ''غالب درونِ خانہ'' مطبوعہ ساکار پبلشرز پرائیویٹ لمٹیڈ، بمبئی، بار اول ۲۷؍دسمبر ۱۹۸۹ء میں شامل ہے۔

(۱۴)

۵؍۴؍۹۱

محب مکرم۔ تسلیم، آپ کا یکم اپریل کا خط ملا۔ تعجب ہوا کہ آپ کو میرا خط نہیں ملا۔ میں نے ''غالب احوال و آثار'' اور ''انتخابِ کلام رجب علی بیگ سرور'' (۱) کی رسید فوراً بھیج دی تھی اور آپ کے خط سے متعلق بھی بعض باتیں لکھی تھیں، اب استحضار تو نہیں پھر بھی جو یاد ہے لکھتا ہوں۔

۱۔ غالب احوال و آثار کا بالاستیعاب مطالعہ ابھی نہیں کیا۔

۲۔ رجب علی بیگ سرور، غالب اور غوث علی قلندر پانی پتی کی ملاقات کے بارے میں کوئی ذکر نہیں، کیا آپ نے اس ملاقات کو بہ نظر تحقیق نہیں دیکھا؟

۳۔ میرے کتب خانے میں ''دیوان ورقعاتِ شیفتہ وحسرتی'' موجود ہے یہ اشکی کی مولفہ ہے شاید یہ ۱۸۸۷ء کی۔ اگرچہ کلیاتِ شیفتہ (۱۹۱۶ء) میں اس کا ذکر نہیں تاہم جہاں تک مجھے یاد ہے تمام رقعات و مکتوبات انہوں نے یہیں (دیوان ورقعات) ہی سے لیے ہیں اور یقیناً کلیات سے دیوان زیادہ بہتر ہے۔ میں ان کی زیراکس بنوا کر آپ کو بھجوا دوں گا۔

۴۔ پنج آہنگ (وزیر الحسن) ضخیم (ٹائپ میں ہونے کی وجہ سے بھی) کتاب ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ اسے ڈاک سے بھیجوں کیونکہ یہ نہایت کمیاب ہے۔ اگر آپ حکم دیں گے تو ضرور بھیج دوں گا۔ تاہم اگر آپ کا کام چل سکے تو اس کے ضروری حصے (جو آپ کو درکار ہوں) زیراکس کرا کے آپ کے بھجوا دوں۔ آپ کے خط کا منتظر ہوں۔

میں نے ''ایوانِ اردو'' (۲) میں آپ کا مضمون ''غالب کی چھٹی فارسی مثنوی'' پڑھ لیا ہے۔ آپ کی دریافت فیصلہ کن ہے۔ پھر بھی میری رائے میں کم از کم بادشاہ کی مدح میں کہے ہوئے

شعر کی حد تک یہ مثنوی بہادر شاہ ظفر کی جلاوطنی کے بعد ہی نظر ثانی کے بعد مکمل ہوئی ہوگی۔ یعنی اس سے پہلے غالب کے لیے اس شعر کا حذف کرنا ممکن نہ ہوسکتا۔ آپ نے کتاب میں میرا مضمون تو پڑھ ہی لیا ہوگا۔

میں دو تین خط جناب سرسوتی سرن کیف کو لکھ چکا ہوں، مگر کوئی جواب نہیں آیا، کیا آپ ان کی خیریت دریافت کر کے مجھے لکھیں گے؟ میری طبیعت بہت دنوں سے ٹھیک نہیں۔ رضا

....

(۱) "انتخاب کلام رجب علی بیگ سرور" نقوی صاحب نے یہ انتخاب تیار کیا تھا اور اس کی اشاعت اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ سے ۱۹۸۸ء میں عمل میں آئی۔

(۲) مراد "ایوان اردو" نئی دہلی اپریل ۱۹۹۱ء جس میں نقوی صاحب کا یہ مضمون (غالب کی چھٹی فارسی مثنوی) شائع ہوا۔ یہ مضمون نقوی صاحب کی کتاب "غالب کی چند فارسی تصانیف" (شائع کردہ: غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی ۲۰۰۵ء) میں بھی شامل ہے۔

(۱۵)

۱۸/۴/۹۱

محب مکرم تسلیم ابھی بعد دوپہر، آپ کا خط ملا۔ عید کی مبارک باد قبول فرمائیں۔

شیفتہ کے رقعاتِ فارسی کی تعداد ۷۵ ہے۔ ان میں سے ۲۴/ ایسے ہیں جن پر مکتوب الیہ کا نام نہیں ہے۔ ان کی فوٹو کاپی آپ کو پہنچا دی جائے گی۔ میں نے چند سال پہلے ایک مضمون "تصانیف شیفتہ" کے عنوان سے لکھا تھا جو آج کل (نومبر ۱۹۸۶ء) میں چھپا تھا۔ اگر فائل دستیاب ہو تو دیکھ لیجیے گا۔ اس میں ان خطوط کا بھی ذکر ہے۔

غالب کے فارسی خطوط (خاص کر پنج آہنگ، مآثر غالب اور باغِ دودر کے خطوط) پر میں نے بہت کام کر رکھا ہے۔ تاریخوں کے بارے میں بھی کافی کام کر رہا ہوں۔ بہت سے اردو ترجمے بھی کر چکا ہوں۔ مگر ان سب کو سمیٹنے کے لیے وقت چاہیے اور محنت بھی جس کی فی الحال میری صحت اجازت نہیں دے رہی۔ میں ڈاکٹر کے کہنے پر کل دس بارہ روز کے لیے بمبئی سے باہر جا رہا ہوں۔ جب تک اس خط کا جواب بھی آجائے گا۔

آپ نے "مسٹر مسٹن گورنر آگرہ" کے بارے میں دریافت کیا ہے۔ کیا آپ کی مراد

جمس تامسن (James Thompson) سے تو نہیں؟ کیونکہ ''مسٹر مسٹن'' کا نام میری نظر سے کہیں نہیں گزرا۔ بہرحال اگر یہی نام ہے تو ذرا پورا نام (اگر ہو سکے تو انگریزی میں) تحریر فرمائیں۔ کیف صاحب کی خیریت سن کر مسرت ہوئی۔

مخلص

کالی داس گپتا رضاؔ

(۱۶)

۹۱/۵/۱۱

مکرمی۔ تسلیم بمبئی واپس آ گیا ہوں۔ بہت تھکا ہوا ہوں۔ بہت سی ڈاک آئی رکھی ہے۔ چن کر آپ ہی کے خط مورخہ ۲۱/اپریل کا جواب دے رہا ہوں۔

جیمس طامسن (JAMES THOMASON)

1) Dictionary of British-Indian Dates London-1866 Page168 Lieutenant, Governor of the Nort - West Province, November 9,1843 Died September 27, 1853

2) Twilight of the Mughals by P. Spear-1951 Page163

(جن لوگوں نے جواں بخت کو بادشاہ کا جانشین ہونے سے روکا ان میں جیمس ٹامسن ایک تھے) لکھا ہے:

"The those men mainly concerned in the passing over of Jiwan Bakht were Sir H. M. Elliot. James Thomason, the .... Lieutenant Governor of the North-West Province and Sir Thomas Met Calf"

3) India in 1880 by Sir Richard Temple, 1881 Page

رُڑکی کے انجینئرنگ کالج کا نام Thomason College of Civil engineering اسی ٹامسن کے نام پر تھا۔ (خاص کر یوپی میں) کسانوں اور نچلے طبقے کے لوگوں میں تعلیم پھیلانے کا پہلا کام ٹامسن ہی نے کیا تھا۔ (اس کتاب کے ص ۵۱۔ ۱۳۹۔ ۱۵۱۔ ۲۱۴ سے رجوع کیا جا سکتا ہے)

6) British Parmountry and Indian Renaissance Part II (The History and Culture of the Indian People Vol.X Bhartiya Vidya Bhawan 1981. Page76.

"...Mr. Thomason died on the 29th September, 1853..."

(اسی صفحے پر ہے) ۱۸۴۳ء میں ایک مختصر سی انجینئر نگ کلاس سہارنپور میں شروع ہوئی۔ ۱۸۴۷ء میں گنگا سے نہر نکالنے کا فیصلہ ہوا جس کے نتیجے میں ٹامسن انجینئر نگ کالج رڑکی وجود میں آیا۔ ۱۸۵۴ء میں (طامسن کے انتقال کے بعد) اس انجینئر نگ کالج کا نام ٹامسن سے جوڑا گیا (ترجمہ)

۵۔ پنج آہنگ تدوین وزیر الحسن عابدی، تعلیقات ص ۶۷۱۔

''جیمس ٹامسن ۲۱ دسمبر ۱۸۴۲ء (۱۸۴۳) تک سکریٹری تھے۔ اس سال ۲۱/ دسمبر سے گورنر ہو گئے تھے''۔ ''چونکہ جیمس ٹامسن ۲۲/ دسمبر (ص ۲۷۲) ۱۸۴۳ء سے گورنری کے عہدے پر فائز تھے''۔ ''جیمس ٹامسن ۲۲ دسمبر ۱۸۴۳ء کو گورنر ہوئے تھے''۔

خلاصہ: جیمس ٹامسن کی تاریخ اور مقام ولادت معلوم نہیں ہو سکا۔ وہ ۹/ نومبر (بقول وزیر الحسن عابدی ۲۱۔ ۲۲/ دسمبر) ۱۸۴۳ء کو لفٹیننٹ گورنر مقرر ہوئے، ظاہر ہے اس سے پہلے سکریٹری ہوں گے۔ تعلیمی امور میں بہت زیادہ دلچسپی لیتے تھے۔ ٹامسن انجینئر نگ کالج رُڑکی انھیں کے نام پر تھا (شاید اب بھی یہی نام ہو) جن بارسوخ انگریز افسروں نے جواں بخت کو شاہ ظفر کا جانشیں نہیں بننے دیا ان میں ایک ٹامسن تھے۔ ۲۷/ یا ۲۹/ ستمبر ۱۸۵۳ء کو انتقال کیا۔

مہاجر کا ترجمہ (پنج آہنگ) اگرچہ مفید ہے مگر بعض مقامات پر معتبر نہیں۔ مجھے خطوں کا مقابلہ کرنے کی ضرورت پیش آئی تھی۔

شیفتہ کے خطوط بنام غالب اور پنج آہنگ (وزیر الحسن عابدی) باندھ کر الگ سے رکھ دیے ہیں۔ اگر آپ کے خیال میں ہمیں risk لے لینا چاہیے تو میں بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک بھجوا دیتا ہوں۔ آپ کی کیا رائے ہے؟ ورنہ کیفؔ صاحب کے ہمراہ تو بھیج ہی دوں گا۔

میں نے کئی مہینے ہوئے اسباق پونا آپ کے نام جاری کرایا تھا۔ کیا آپ کو مل رہا ہے؟ اگر نہیں تو کچھ شمارے جو میرے پاس ہیں بھجوا دوں۔

امید کہ آپ ہر طرح عافیت سے ہوں گے۔

مخلص

کالی داس گپتا رضاؔ

(باقی)

سفر، سفرنامہ اور مسافر

ڈاکٹر راہی فدائی

سفر کو جہاں قطعۃ من السقر یعنی دوزخ کا ٹکڑا کہا گیا ہے وہیں وجہ ظفر یعنی کامیابی کا سبب بھی کہا گیا ہے۔ ان دونوں اقوال میں بظاہر تضاد نظر آتا ہے مگر حقیقت میں دونوں ایک ہیں اور ایک دوسرے کے لیے گویا لازم وملزوم ہیں۔ وہ اس طرح کہ کوئی بھی شخص سفر کرتے ہوئے زحمتیں اٹھاتا ہے، تکلیفیں جھیلتا ہے، وطن عزیز سے دور ہوتا ہے پھر نئے ماحول، نئی فضا اور مختلف طبائع سے گزر کر اپنی منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے تو یقیناً یہ اس کی بہت بڑی کامیابی اور مسرت وشادمانی کا باعث ہے۔

سفر: سفر حرکت (بالواسطہ یا بلاواسطہ) کا نام ہے اور حرکت زندگی ہے تو پھر یہ کہنا صحیح ہے کہ "سفر زندگی ہے" اور زندگی بندگی کے لیے مختص ہے جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے "**وما خلقت الجن والانس الّا لیعبدون**" (الذاریات ۵۶) یعنی جن وانسان کو میں نے اپنی عبادت اور بندگی کے لیے ہی پیدا کیا۔ بندگی استحضارِ قدرت کا تقاضا کرتی ہے جس کی طرف حدیث شریف میں اشارہ موجود ہے۔ "**ان تعبد اللہ کأنک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک**" یعنی اللہ تعالیٰ کی بندگی اس تصور کے ساتھ کرو کہ تم اسے دیکھ رہے ہو، اگر یہ تم سے نہ ہوسکے تو اس بات کا استحضار اپنے ذہن ودل میں رکھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ سفر میں مناظر قدرت کا لطف لیتے ہوئے قدرتِ الٰہی کا استحضار قلب میں جاگزیں رہے تو سفر بھی عبادت ہے اور اس سے اجر وثواب کا مرتب ہونا انشاء اللہ یقینی ہے۔

سفر انسانی جبلت میں شامل ہے، اس سے گریز ممکن نہیں۔ انسان چاہے سفر میں ہو یا حضر میں، وہ مسافر ہی ہے۔ یہ دنیا اور یہ عالم رنگ وبو اس کے سفر آخرت کا پہلا پڑاؤ اور اس کی پہلی منزل ہے۔ روز وشب کی گردش اس کے سفر کی علامت ہے، جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد خداوندی ہے

نمبر ۲۱، تیسرا کراس، عثمان اسٹریٹ، خوش حال نگر، کے جی ہلی، بنگلور۔ ۴۵۔ (Mob: 9448166536)

”و الشمس تجری لمستقرّ لھا“ اور” و القمر قدّرناہ منازل“ (یٰسین ۳۸/۳۹) یعنی سورج اپنے ٹھکانے کی طرف سفر کررہا ہے اور ہم نے چاند کے لیے سفر میں منزلیں مقرر کی ہیں۔انسان جب عالم وجود میں قدم رکھتا ہے تو اس کے سفر کا آغاز ہوجاتا ہے۔ پھر وہ دن رات سفر کرتے ہوئے پہلے جوانی کی منزل پر اور بعدازاں منزل پیری پر پہنچ کر دم لیتے ہوئے عالم عدم کی راہ لیتا ہے۔اسی کیفیت کی بلیغ علامت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے ”کن فی الدنیا کانّک غریب او عابر سبیل “یعنی دنیا میں مسافر بن کے رہا ہو یا راستہ عبور کرنے والے کی مانند ہو۔

سفر چار قسم کا ہوتا ہے۔ ۱۔ پہلی قسم سفر ظاہر سے ظاہر کی طرف جیسا کہ ہم ایک شہر سے دوسرے شہر کا سفر کرتے ہیں۔ ۲۔دوسری قسم سفر ظاہر سے باطن کی طرف جیسے صوفیائے کرام کا مراقبے کے ذریعے نہاں خانۂ دل کی طرف سفر کرنا۔ ۳۔تیسری قسم سفر باطن سے ظاہر کی جانب،اس کی مثال یہ بیان کی جاتی ہے کہ عالم ارواح سے روح سفر کرتے ہوئے اس کے لیے مقرر کردہ جسد خاکی میں داخل ہوتی ہے اور اس کو اپنا مستقر بنالیتی ہے۔ ۴۔چوتھی قسم باطن کا سفر باطن کی جانب اسی کو سفر آخرت کہا جاتا ہے کیوں کہ اس میں روح اندرون جسم سے نکل کر سفر کرتے ہوئے عالم برزخ میں پہنچتی ہے پھر وہاں سے اپنے اصل ٹھکانے کی طرف رواں ہوجاتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے سفر کی اہمیت کے پیش نظر ارشاد فرمایا ”سیر وافیھا لیالی و ایاماً آمنین“ (سباء ۱۸) یعنی دنیا میں شب و روز امن و آشتی اور اخوت و مروت کے داعی بن کر سفر کرو،مشہور روایت ہے کہ ”اطلبو العلم لو کان بالصین“یعنی حصول علم کے لیے ملک چین جیسے دور دراز علاقوں کا سفر درپیش ہو تو بھی اعراض نہ کرو،غرض ان تمام اسفار سے ماورا ایک مقدس و مطہر سفر وہ بھی ہے جسے سفر اسرا اور سفر معراج کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔اسی سفر کی شان میں آیت **سبحان اللہ اسریٰ بعبدہ لیلاًمن المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ** نازل ہوئی تھی۔یعنی پاک ہے وہ ذات جس نے راتوں رات اپنے خاص بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کا طویل سفر کرایا۔

اس میں آپؐ نے نہ صرف تمام عالم موجودات و مغیبات کا مشاہدہ فرمایا بلکہ باری تعالیٰ سے تن تنہا لامکاں میں ہم کلامی کا شرف بھی حاصل کیا۔یہ سفرِ سعادت آپؐ کے ساتھ مختص تھا۔نہ یہ آپؐ سے قبل کسی بندۂ خاص کا مقدر کا حصہ بنا اور نہ بعد میں قیامت تک کسی کے لیے یہ ممکن ہوگا۔یہ طویل

ترین سفر پلک جھپکنے سے پہلے طے ہوگیا جس میں زمان ومکان مقید و منجمد اور اس کی گردش ساکت و صامت ہوگئی تھی۔ یہ انسانی تاریخ کا انتہائی عجیب وغریب مگر صدفی صد مصدق و مسلم سفر تھا، جس کے راوی خود حضور اکرمؐ تھے اور اس صادق و مصدوق مسافر کے چشم دید احوال سفر کو محفوظ و منضبط کرنے والے مقتدر احباب، صحابہ کرام، تابعین عظام اور محدثین وقت رہے۔ جب حضرت مخبر صادقؐ سے روایۃً ودرایۃً تسلسل کے ساتھ سفر معراج کی یہ تفصیلات مستند و معتبر راویوں کے توسط سے امام بخاریؒ کی کتاب صحیح کی زینت بنیں تو اس کو ادبیات اسلام کا اولین سفر نامہ کہنا راقم الحروف کی رائے میں غلط نہ ہوگا۔ یہاں یہ اعتراض بے جا ہے کہ سفر نامہ تو مسافر کے قلم کا مرہون منت ہوتا ہے۔ معراج کے سفر نامہ کے تعلق سے یہ بات نہیں کہی جا سکتی، آپؐ امّی تھے، مگر آپ کا ارشاد کردہ ہر لفظ ہزارہا تحریروں سے زیادہ یقین کامل کا باعث ہے۔ اسی مفہوم کو شاعر نے بڑے خوبصورت اسلوب میں پیش کیا ہے

صد یقین اپنا عبث، سبھی تحریر غلط آپ کی جنبشِ لب، وہ حسیں طرۂ خط

سفر نامہ: سفر نامے کی بنیاد اور اس کی اصل سفر ہے اور اس کی شرط یہ ہے کہ سفر نامے کا خالق سفر کے احوال وآثار اور اس کے منازل وامصار کی ایسی تصویر کشی کرے جس سے مناظر قدرت ہی کا عکس نہیں بلکہ طبائع خلقت کا انعکاس بھی نظر آجائے بقول ڈاکٹر سید عبداللہ:

"ایک کامیاب سفر نامہ وہ ہوتا ہے جو صرف ساکت وجامد فطرت کا عکس نہ ہو بلکہ لمحۂ رواں میں آنکھ، کان، زبان اور احساس سے ٹکرانے والی ہر شئی نظر میں سما جانے والی ہوں"۔ (۱)

سفر نامہ معلومات کے خزینہ کے علاوہ مشاہدات کا آئینہ بھی ہوتا ہے، اس میں بھی زاویۂ نظر کا فرق اہل بصیرت کو دعوت کلام دیتا ہے۔ چونکہ سفر نامہ اس کے لکھنے والے کی افتاد طبع کا ممنون اور اس کے مزاج ومنہاج کے زیر اثر وجود پذیر ہوتا ہے اس لیے اس میں حقیقت نگاری کے ہمدوش مبالغہ آرائی کے امکان کو رد نہیں کیا جانا چاہیے اور سفر نامے کے مواد و مشتملات میں رطب ویابس کی موجودگی اور صحیح وسقم کی گنجائش کو بہر حال مسترد نہیں کیا جا سکتا۔ بقول ڈاکٹر آغا سہیل "سفر ناموں کی تکنیک کا مزاج مختلف النوع طبائع کا منت پذیر ہوتا ہے، ہر سفر نامہ نگار اپنے باطن کا پوسٹ مارٹم کرکے آپ کے سامنے بکھر جاتا ہے، آپ اس کی شخصیت کے جزوی سے جزوی جھوٹ اور سچ سے واقف ہوجاتے ہیں بلکہ لکھتے وقت تو اسے خبر بھی نہیں ہوتی وہ کہاں کہاں قاری کی گرفت میں اس طرح آگیا

ہے کہ اب اپنا آپ چھپانا مشکل ہے۔‘‘ (۲)۔ سفر نامہ اصناف ادب میں انشا نگاری سے متعلق صنف ہے، سفر نامے میں ادب کی چاشنی اور اسلوب نگارش کی بوقلمونی ضروری ہے ورنہ وہ گائیڈ بک اور کوئز کی کتاب بن کے رہ جائے گا جس کا علم وادراک کی اعلیٰ سطح سے کوئی سروکار نہیں ہوگا۔ بقول مشفق خواجہ ’’روایتی سفر نامہ ہمیں مقامات سفر سے متعارف کراتا ہے اور غیر روایتی سفر نامہ کیفیت سفر سے، مقامات سفر کی تفصیل لکھنے والا زمان ومکان کا اسیر ہوتا ہے، جبکہ کیفیات سفر قلم بند کرنے والا زمان ومکان سے ہٹ کر بھی سوچتا ہے، یہی چیزیں اس کے سفر نامے کو معلومات کا گنجینہ بننے سے بچاتی ہے اور اس کا رشتہ ادب سے قائم کرتی ہے۔‘‘ (۳)۔ دنیا کا سب سے پہلا سفر نامہ بقول رحمٰن مذنب اپنی اصل حالت میں آج بھی موجود ہے، اس کی نقول مصر کے پروہت سلاطین، بیگمات، شہزادوں، امراء اور کم استطاعت لوگوں کے لیے تیار کرتے تھے، نقول تیار کرنے کا زمانہ ۱۶۰۰ ق۔م اور ۹۰۰ ق۔م کے درمیان بتایا جاتا ہے، لیکن اس کا مواد ساڑھے تین ہزار سال قبل مسیح بھی مصر کے طول وعرض میں موجود تھا، میرے پاس جو اس کا نسخہ ہے وہ ’’ڈاکٹر سر والس‘‘ کا انگریزی ترجمہ ہے۔ اس میں فرعون کے سفر آخرت کا حیرت خیز نقشہ کھینچا گیا ہے۔ (۴)

اردو کا پہلا سفر نامہ یوسف خان کمبل پوش حیدر آبادی کا تحریر کردہ ’’عجائبات فرہنگ‘‘ معروف بہ تاریخ یوسفی‘‘ ہے۔ جس کا پہلا ایڈیشن ۱۸۴۷ء میں دہلی سے شائع ہوکر مقبول خاص وعام ہوا۔ یوسف کمبل پوش شاہ سلیمان جاہ کا مصاحب خاص تھا۔ ۱۸۳۶ء میں اپنے مالک سے رخصت کی اجازت لے کر عازم لندن (انگلستان) ہوا۔ وہ پہلے حیدر آباد سے کلکتہ پہنچا پھر وہاں سے بذریعہ آرمی جہاز ۳۰/ مارچ ۱۸۳۷ء برز جمعرات روانہ ہوا۔ اس نے اپنے سفر سے پیشتر انگریزی زبان سیکھی اور تاریخ کی کتابوں کا خوب مطالعہ کیا پھر لندن پہنچ کر وہاں کے ماحول وکیفیات اور لوگوں کے احوال کو بڑی فرحت وشادمانی کے ساتھ بیان کیا۔ (۵)

سفر ناموں میں حج سے متعلق سفر نامے بھی کثرت سے ہیں جن میں سفر کی روداد اور قیمتی تجربات، خاکِ حرمین شریفین اور اس کے جزوکل کے تعلق سے اپنی عقیدت ومحبت کا اظہار اور وہاں پر اپنے احساسِ عجز وانکسار کا بیان ہے۔ عربی زبان میں اولین سفر نامۂ حج ابوعبید اللہ المقدسی کی کتاب ’’احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم‘‘ ہے اور فارسی زبان میں حج کا پہلا سفر نامہ ’’زادالمسافرین‘‘ ناصر خسرو

نے تحریر کیا انہوں نے ۱۰۴۵ء میں عازم حج بیت اللہ ہوکر تقریباً آٹھ سال تک ممالک اسلامیہ قاہرہ، شام بیت المقدس، اسکندریہ وغیرہ کی سیاحت کی۔(۶) برصغیر میں سفرنامۂ حج لکھنے والوں میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا اسم گرامی اولیت کا حامل ہے، جنہوں نے ۱۵۸۹ء میں زیارت حرمین شریفین سے فراغت کے بعد ''جذب القلوب الٰی دیار المحبوب'' فارسی میں تحریر فرمایا۔(۷)

حج بیت اللہ کے اردو سفرناموں میں اولیت بقول ڈاکٹر سید انور سدید نواب صدیق حسن خان کے سفرنامہ ''رحلت الصدیق الٰی بیت العتیق'' کو حاصل ہے اور یہ ۱۸۶۸ء میں کیے گئے سفر حج کی روداد ہے۔مگر ڈاکٹر انور سدید کے برخلاف ڈاکٹر منظور الٰہی ممتاز نے حاجی محمد منصب علی خان کے سفرنامے ''ماہ مغرب'' معروف بہ ''کعبہ نما'' تصنیف شدہ ۱۸۸۱ء) کو اردو زبان کا پہلا سفرنامہ قرار دیا ہے۔(۸) حالانکہ یہ دونوں محققین ادب کے دعوے حقیقت واقعہ کے برعکس ہیں۔اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جنوبی ہند کے مشہور شہر بنگلور کے متوطن حضرت علامہ سرقاضی سید شاہ عبدالقدوس قدسیؒ (متوفی ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۹۰۵ء) تیرہویں صدی ہجری کے ایک بلند پایہ عالم، نامور صوفی اور مایہ ناز شاعر و مقتدر مصنف تھے۔انہوں نے امام اعظم حضرت ابوحنیفہؒ کی مفصل و منظوم سوانح حیات ۱۲۷۹ھ مطابق ۱۸۶۲ء میں تصنیف کی تھی، دس ہزار دو سو دو (۱۰۲۰۲) اشعار پر مشتمل یہ گرامی قدر کتاب ان کے انتقال کے دو سال بعد ۱۳۲۵ھ میں شائع ہوئی۔حضرت قدسیؒ بنگلوری کی اہم ترین کتاب ''مرأۃ الحرمین الاحضا معہ فضائل مسجد اقصیٰ'' ہے۔اردو زبان میں تحریر کردہ یہ نثری تصنیف آپ کے سفر حج بیت اللہ کا سفرنامہ ہے جسے آپ نے ۱۲۸۵ھ میں شروع کر کے ۱۲۸۶ھ میں ختم کیا تھا۔

حضرت قدسی کی جملہ (غالباً ۱۴) تصنیفات میں سے ''مرأۃ الحرمین الاحضا معہ فضائل مسجد الاقصیٰ'' نمایاں اور انفرادی حیثیت کی حامل ہے۔دو سو صفحات پر مشتمل یہ سفرنامۂ حج و زیارت دیگر حج کے سفرناموں سے ان معنوں میں منفرد و ممتاز ہے کہ اس میں تمام مقامات مقدسہ، مساجد قدیمہ، آثارِ صحابہؓ، منبر و محرابِ مسجد نبوی اور مصلائے مسجد حرم کے ذکر کے علاوہ ان کی تاریخ، ان کے نقشے اور ان کے طول و عرض کی تحقیق بھی شامل ہے۔یہ کتاب روانگی کے موقع پر ۱۲۸۵ھ میں شروع کی گئی، اور حج سے واپسی کے سال ۱۲۸۶ھ مطابق ۱۸۶۹ء میں اختتام کو پہنچی، مصنف موصوف نے اس کا قطعۂ تاریخ کہا ہے۔

از فضل خدا بحسن و خوبی اب ختم ہوا ہے یہ اثاثہ
تاریخ کہا ہے اس کی قدسی اعلام مسجد ثلاثہ

۱۲۶۸ھ

مذکورہ کتاب مطبع دینیہ، جامع مسجد لشکر گاہ، بنگلور سے ۱۲۹۰ھ میں طبع ہوکر مقبول خاص و عام ہوئی۔(۹)

مذکورہ بیانات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ حضرت قدسیؔ نے ۱۲۸۵ھ مطابق ۱۸۶۸ء میں لکھنا شروع کیا اور اس کا اختتام ۱۲۸۶ھ مطابق ۱۸۶۹ء میں ہوا۔ جبکہ حاجی محمد منصب علی خان کا سفرنامہ حج ''کعبہ نما'' حضرت قدسی کی کتاب کے دوسال بعد ۱۸۷۱ء میں آیا۔ اب رہا نواب صدیق حسن کا سفرنامۂ حج تو بقول ڈاکٹر نور سدید یہ نواب صاحب کے حج بابت ۱۸۶۸ء کی روداد ہے، ڈاکٹر موصوف نے اس روداد کی تصنیف کی قطعی تاریخ نہیں بتائی، ظاہر بات ہے کہ ادائے حج سے فراغت کے بعد ہی کتاب لکھی گئی ہوگی۔ اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ فراغتِ حج کے فوری بعد لکھنا شروع کیا گیا تو سفرنامہ کی تصنیف کا سال ۱۸۶۸ء کے بعد کا سن ۱۸۶۹ء قرار پائے گا۔ اس اعتبار سے نواب موصوف کی تصنیف کے سن اور حضرت قدسیؔ کے سال تصنیف میں کوئی فرق نہ ہوگا تو پھر اولیت کا سہرا محترم نواب صاحب کے سر باندھنا صحیح نہیں ہوگا۔ سفر حج کے منظوم سفر نامہ نگاروں میں جنوبی ہند کے خطیب عبدالقادر بادشاہ (متوفی ۱۹۰۴ء) کا نام تاریخ ادب کے صفحات پر روشن ہے، بادشاہ صاحب کا تعلق شہر وانمباڑی (ضلع ویلور، تملناڈو) کے ایک معزز و محترم خاندان سے تھا، آپ قادرالکلام استاد شاعر ہونے کے علاوہ مستند و معتبر ادیب بھی تھے، تاریخ گوئی میں بھی آپ کو ملکہ حاصل تھا۔ آپ کا سفرنامۂ حجاز منظوم جس میں عقیدت و محبت کی فراوانی موجود ہے، ۱۹۰۷ء میں شہر مدراس سے شائع ہوکر مقبول ہوا تھا۔ اس سفرنامہ کی فنی خوبیوں اور وصفِ امتیاز بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر انور سدید رقم طراز ہیں:

''خطیب قادر باشاہ نے موقع اور محل کے مطابق بحور و قوافی میں تبدیلیاں پیدا کرکے تخلیقی اظہار کو آزادی عطا کی۔ ان کا منظوم نذرانۂ عقیدت جذبے سے لبریز ہے اور ان کی نظموں کی سادگی متاثر کرتی ہے''۔(۱۰)

مسافر: دنیا کا ہر وجودِ خاکی مسافر ہے یا تو وہ براہ راست سفر میں رہتا ہے یا بالواسطہ لمحہ لمحہ سفر کی لذت

سے آشنا ہوتا رہتا ہے۔آج سائنسی انکشافات نے یہ ثابت کردیا کہ کرۂ ارض اپنے محو میں رواں دواں ہے جس کے نتیجے میں اس کرہ پر موجود شئی اس کے ہمراہ دوڑتی بھاگتی رہتی ہے۔یہی دراصل زندگی کی علامت ہے اگرچہ اس کا احساس خود اس شئی کو ہو یا نہ ہو، باری تعالیٰ نے کرہ ہائے فلک کی صفاتِ ظاہری کا ادراک انسانوں کو کرانے کے لیے فرمایا ”کل فی فلک یسبحون“ یعنی ہر کرہ اپنے محور پر گھوم رہا ہے، روئے زمین کا ہر انسان مسافر بھی ہے اور مسافر نواز بھی اس کے مسافر ہونے کا ثبوت تو مذکورہ عبارت سے مل گیا، البتہ مسافر نواز ہونے کی دلیل کے لیے یہ کہنا کافی ہوگا کہ انسان ہر ساعتِ گزراں اور ہر لمحہ دوراں کو اپنے محل سرائے حیات میں خوش آمدید کہتا رہتا ہے اور پھر انہیں الوداع بھی کردیتا ہے۔

اس عالم امکان کے اولین مسافر حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔آپ کا پہلا سفر جنت سماوی سے کرہ ارض کی طرف ہوا۔گویا یہ سفر علو سے خلو کی طرف اور بلندی سے پستی کی جانب تھا۔اس دنیا بلکہ اس کائنات کے معزز ترین مسافر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔آپؐ کا سفر معراج فرش سے ماورائے عرش اور نزول سے عروج کی طرف تھا۔یہاں اس نکتہ کا اظہار و بے محل نہ ہوگا کہ حضرت ابوالبشر کا سفر مادی اور ظاہری عوامل کے تحت پیش آیا اور حضرتِ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر جسم کے ساتھ روح اور ظاہر کے ساتھ باطن کے امتزاج کا حسین و جمیل مرقع اور خوبصورت اثرات و ثمرات کا گراں قدر تحفہ تھا۔

مآخذ و حواشی

(۱) عبداللہ سید ڈاکٹر پیش لفظ ”سرزمین حافظ و خیام“ از مقبول بیگ بدخشان، غالب پبلی کیشنز لاہور ۱۹۷۹ء ص ۸ ماخوذ از ”اردو ادب میں سفرنامہ“ از انور سدید ڈاکٹر، ایم۔آر۔پبلی کیشنز، نئی دہلی، مطبوعہ ۲۰۱۲ء ص ۱۳-۱۷۔(۲) آغا سہیل ڈاکٹر نئے ہندوستان میں بڑھا ہوا ہاتھ ”زرد پتوں کی بہار“ از رام لعل، اردو اکادمی لکھنؤ ۱۹۸۲ء ص ۱۷ ماخوذ از ”اردو ادب میں سفرنامہ“ ص ۱۸-۱۷۔(۳) مشفق خواجہ دیباچہ ’موسموں کا عکس‘، از جمیل زبیری بختیار اکادمی، کراچی ۱۹۸۴ء ص ۱۰ ماخوذ از ”اردو ادب میں سفرنامہ“ ص ۱۵-۱۷۔(۴) ”اردو ادب میں سفرنامہ“ ص ۱۱-۱۰۔(۵) ایضاً ص ۱۱۲، ۱۱۳ اور ۱۲۵۔(۶) ایضاً ص ۴۶۲۔(۷) ایضاً ص ۴۶۵۔(۸) ایضاً ۷۰-۳۔(۹) راہی فدائی ڈاکٹر، ”شواہد“ الانصار پبلی کیشنز، حیدرآباد، مطبوعہ ۲۰۱۷ء ص ۱۱۲۔(۱۰) ”اردو ادب میں سفرنامہ“ ص ۶۳۲، ۶۳۳۔

اخبار علمیہ

”قرآن مجید کے قدیم مدنی خط کو ڈیجیٹائز کرنے کا منصوبہ“

ادارہ ترقیات مدینہ کے چیرمین شہزادہ فیصل بن سلمان بن عبدالعزیز نے مدنی خط کے تحفظ کے لیے ایک منصوبہ کا آغاز کیا ہے جس کے تحت دنیا بھر میں مدنی خط میں موجود قرآن مجید کے نسخوں اور دوسری مقدس تحریروں کو ڈیجیٹل شکل میں لاکر ہمیشہ کے لیے محفوظ کردیا جائے گا۔اس قسم کے قرآنی نسخے نیشنل لائبریری فرانس، لیڈن یونیورسٹی لائبریری، نیدرلینڈ، برمنگھم یونیورسٹی لائبریری برطانیہ اور برلن لائبریری، جرمنی میں موجود ہیں۔شاہ فہد قرآن کمپلیکس مدینہ نے حال ہی میں قرآن کے مدنی خط کو ڈیجیٹل بنانے کے عمل میں بہتری کی غرض سے تجاویز بھی طلب کی تھیں اور ۱۴۲۲ھ میں قرآن مجید کا مدنی خط میں نسخہ شائع بھی کیا تھا۔ڈیجیٹل طباعت کے ماہر سلیمان بن عبداللہ المیمن کا کہنا ہے کہ مدنی خط ہی دراصل موجودہ استعمال شدہ تمام عربی خطوں کی بنیاد ہے،اس منصوبہ کا مقصد بھی اس خط کی اصل شکل میں بحالی ہے تاکہ قدیم قرآنی خط کی جدید ٹکنالوجی کی مدد سے ڈیجیٹل نقل تیار کی جاسکے۔واضح رہے کہ مدینہ میں پہاڑوں کی چٹانوں، وادیوں اور قدیم شاہراہوں میں اسلامی خطاطی اور کندہ کاری کے بہت سے قیمتی آثار موجود ہیں۔ سعودی عرب کا شاہ سلمان بن عبدالعزیز بحالی مرکز ترمیم اس ورثہ کے تحفظ کے لیے کوشاں ہے۔وہ ادارہ میں محفوظ مخطوطات اور نمونہ ہائے خطاطی کے علاوہ عام شہریوں کے پاس یا نجی اور سرکاری لائبریریوں میں موجود نسخوں کے تحفظ کے لیے بھی کام کررہا ہے۔(تفصیل راشٹریہ سہارا، ۵ رمئی لکھنؤ ایڈیشن میں ملاحظہ فرمائیں)

”اسمارٹ فون۔دیواروں کے پار بھی دیکھ لیں گے“

ماہرین کا کہنا ہے کہ اگلی نسل کے اسمارٹ فون لیزر کے ذریعہ دیواروں کے پار دیکھنے کے قابل ہوسکیں گے۔گلاسکو یونیورسٹی میں کوانٹم ٹکنالوجی میں انقلاب اور لیزر شعاعوں کی مدد سے بہت جلد دیواروں کے پار دیکھنا ممکن ہوجائے گا۔ان کے مطابق چہرہ شناس اور سلوموشن ویڈیو بنانے والے کیمرے کی صلاحیت حیرت انگیز طور پر بڑھ چکی ہے۔بہت جلد کیمرے انسانی جسم میں جھانکنے، پس دیوار اور دھوئیں میں دیکھنے کے قابل ہوسکیں گے۔ان کیمروں کو اسمارٹ فورٹ میں لگاکر سراغ رسانی اور جاسوسی کا کام

آسان ہوجائے گا۔(اردو سائنس ماہنامہ، دہلی، مئی ۲۰۱۸ء، ص ۵۵)

’’دنیا کے دلچسپ موبائل کتب خانے‘‘

کتابوں سے دلچسپی رکھنے اور پیدا کرنے والوں کے عجیب وغریب طریقے اور مناظر آئے دن سامنے آتے رہتے ہیں۔ان میں موبائل کتب خانے ہیں جو قاری تک خود پہنچتے ہیں۔نائیجیریا، کولمبیا، شام اور ہالینڈ کے بعض موبائل کتب خانوں کے متعلق انقلاب نے درج ذیل معلومات فراہم کی ہیں۔نائیجیریا کی ریاست لاگوس میں ’’آئی ریڈ نٹ ورک‘‘ اس وقت سب سے بڑی موبائل لائبریری کی سہولیات فراہم کررہا ہے۔’’فنمی لاری‘‘ نے پہلے دو ٹوکریوں میں لائبریری کا آغاز کیا اور اب چار بڑی بسوں میں کتابیں ہر ہفتے ۴۴ر مختلف دور افتادہ اور دیہی علاقوں میں جاتی ہیں جن میں کتابوں کی مجموعی تعداد ۱۳ر ہزار ہے۔اس سے ہزاروں بچے استفادہ کرتے ہیں۔کولمبیا کے متعلق ہے کہ وہاں کے اونچے نیچے راستوں پر گدھوں کے ذریعہ کتابوں کی رسائی کا ایک نیٹ ورک ’’بلیو ٹیکا برو‘‘ نام سے بنایا گیا ہے۔اس کا آغاز ۲۰ برس قبل دو گدھوں سے ہوا تھا۔جس کو سورینو نامی ۴۲ سالہ اسکول کے استاذ نے شروع کیا تھا، جب انہیں محسوس ہوا کہ کتابوں کی عدم دستیابی کے سبب بچے اچھی کارکردگی کا مظاہرہ نہیں کرپاتے۔شام میں ملک رافع ادلیب اور حلب کے علاقے میں وین میں ایک موبائل لائبریری شروع کی گئی ہے۔اور اب تک اس سے ۴ر ہزار بچوں کو کتابیں فراہم کی جاچکی ہیں۔پُرخطر اور مخدوش راستوں کے باوجود یہ وین مطالعہ کے شوقین بچوں تک کتابیں پہنچاتی ہیں۔ہالینڈ کے زان علاقہ میں ۴ سے ۱۲ برس تک کے بچوں کے لیے ’’بائی بس‘‘ نامی لائبریری بنائی گئی ہے اور تمام کتابیں ایک ۱۲ میٹر وسیع کنٹینر میں رکھ کر تنگ گلیوں اور گنجان علاقوں تک پہنچائی جاتی ہیں۔اب ۳ بسیں ہر سال ۱۰ر ہزار بچوں میں کتابیں تقسیم کرتی ہیں اور ایک ماہ میں بچے پڑھ کر کتابیں واپس کردیتے ہیں۔(تفصیل ۲۷ر اپریل ۲۰۱۸ء کے انقلاب میں ملاحظہ فرمائیں)

’’حرف کار سافٹ ویئر‘‘

انگریزی میں ورڈ پروسیسنگ جیسے سافٹ ویئر میں خودکار اصلاح الفاظ کا نظام ہے جس کے تحت املا اور جملوں کی نحوی ساخت وغیرہ اگر غلط کمپوز ہوجائے تو یہ درست کردیتا ہے لیکن اردو میں اصلاح الفاظ کا یہ خودکار نظام اب تک نہیں تھا۔خبر ہے کہ پاکستان کے اختر رضا سلیمی اور ان کی ٹیم انگریزی کے طرز پر ایک

ایسے سافٹ ویئر کو متعارف کرانے والی ہے جس کی مدد سے موبائل اور دیگر الیکٹرانک آلات پر بے جھجک اردو ٹائپ کر سکتے ہیں۔ ان کی املائی اور نحوی غلطی کو یہ سافٹ ویئر خود بخود درست کر دے گا۔ اختر رضا سلیمی نے پاکستان کے انگریزی اخبار ''ٹریبیون'' کو بتایا کہ انہوں نے پروگرامر سعید رضا کے ساتھ ایک ٹیم بنائی اور عالمی سطح پر اردو کے ادبا کی ڈیجیٹل ضرورتوں کے پیش نظر یہ کام شروع کیا۔ ان کے پیش نظر ورڈ پروسیسنگ پروگرام تھا۔ انہوں نے مزید کہا کہ اس سافٹ ویئر کی مدد سے نہ صرف غلط ٹائپ شدہ الفاظ کی اصلاح خود کار طریقے پر ہوگی بلکہ اردو طرز تحریر کے مطابق جملے کی ساخت درست کی جا سکے گی۔ یہ سافٹ ویئر تیار ہو جائے تو یقینی طور پر اردو زبان اور اس کے رسم الخط کا وجود مزید مستحکم ہوگا۔ (روزنامہ صحافت، دہلی، ۱۳؍فروری ۲۰۱۸ء میں تفصیل دیکھی جا سکتی ہے)

''کھیلوں کو نصاب تعلیم میں شامل کرنے کی مہم''

سابق بیڈمنٹن کھلاڑی کنشک پانڈے نے آزادانہ طور پر ''کھیل ایک طرز زندگی'' عنوان کے تحت تحقیقی کام کیا ہے جس کی ستائش سابق صدر جمہوریہ ہند پرنب مکھرجی اور یونیورسٹی گرانڈ کمیشن نے کی تھی۔ ان کا خیال ہے کہ کھیلوں کے تئیں بیداری پیدا کرنا اور مبتدی طلبہ کو کھیلوں اور کھلاڑی سے متعلق معلومات فراہم کرنا ضروری ہے۔ ان کے بیان کے مطابق ۳ برسوں تک تقریباً چالیس ہزار لوگوں پر انہوں نے سروے کیا تو معلوم ہوا کہ صرف پانچ فیصدی لوگوں میں ہی اس کے تئیں بیداری پائی جاتی ہے۔ یونیورسٹیوں میں کیے گئے مطالعہ سے واضح ہوا ہے کہ محض ایک فیصد طلبہ اور طالبات کھیلوں سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ اسی صورت حال کے پیش نظر انہوں نے مرکزی وزارت فروغ انسانی وسائل کو خط لکھا ہے کہ ملک میں کھیلوں کو کلچر بنایا جائے، اسے تحریک کی شکل دی جائے اور ایک اسپورٹس ٹیلنٹ بینک بنایا جائے، جہاں ملک کے کھلاڑی تیار کیے جائیں۔ انہوں نے کھیلوں کے فلسفہ کو موضوع کی شکل میں نصاب میں شامل کرنے کی تجویز بھی پیش کی ہے، جس میں زندگی کے فلسفہ، کھیلوں کے اقدار، عوام میں کھیلوں کے اقدار کی قبولیت بالخصوص کھلاڑیوں کی شخصیت میں کھیلوں کے اقدار کا حصہ جیسے موضوعات شامل ہوں۔ (تفصیل سیاست، حیدرآباد، ۹؍مئی ۲۰۱۸ء، ص ۱۱)

ک، ص اصلاحی

باب التقریظ والانتقاد

پاکستان سے چند جدید علمی مطبوعات۔۴

ڈاکٹر عارف نوشاہی

اعجاز التواریخ: تاریخ گوئی کی بھولی بسری روایت: اسلامی تہذیب کی ایشیائی قلمرو میں، جہاں عربی، فارسی، ترکی اور اردو زبانوں کا چلن ہے، کچھ صدیاں ایسی بھی گذری ہیں کہ انسانی زندگی کے ہر قابل ذکر اور نمایاں فعل میں ''تاریخ گوئی'' کا بڑا دخل رہا۔ ولادت اور وفات کی تاریخ کہنا تو عام سی بات تھی، زندگی اور موت کے درمیانی وقفے میں ہونے والے اہم ترین واقعات جیسے ختنہ، تعلیم، حفظ قرآن، شادی، حج وغیرہ بھی تاریخ گوؤں کی نظر میں رہتے اور وہ تاریخ کہہ دیتے۔ لوگوں کے نام تک تاریخی ہوتے تھے۔ بات انسانوں تک ہی محدود نہ تھی۔ کتابوں کی تصنیف ہو یا طباعت، عمارتوں کی تعمیر ہو یا تزئین، بادشاہوں کی تخت نشینی ہو یا جنگوں میں فتح و شکست، قطعات تاریخ ہمیں ہر جگہ نظر آتے ہیں۔ یہ سب کچھ تاریخ کو عددوں کی بجائے لفظوں کے ذریعے یاد رکھنے کا سہل طریقہ تھا۔ تاریخ گوئی کا یہ فن اب آہستہ آہستہ متروک ہوتا جارہا ہے۔ پاکستان کی معاصر تاریخ میں جن لوگوں نے اس فن کو زندہ رکھا ان میں سید شریف احمد شرافت نوشاہی (۱۹۰۷-۱۹۸۳ء) بھی شامل ہیں۔ ان کی کتاب اعجاز التواریخ اسی موضوع پر ہے جس میں ۷۹ ہجری (۱۳۷۷ء) سے ۱۴۰۲ء (۱۹۸۲ء) کے درمیانی عرصے میں پیش آنے والے واقعات سے متعلق قطعات تاریخ اور مادّہ ہائے تاریخ ہیں، مجموعی طور پر اعجاز التواریخ میں ۲۱۸ قطعات اور ۴۳ مفرد مادّے درج ہوئے ہیں۔ جن میں ۲۱۰ فارسی اور ۱۸ اردو قطعات ہیں۔ اسے راقم السطور نے مرتب کیا ہے اور اس کے ۱۵ ابواب قائم کیے ہیں: ولادت، وفات، تصنیف وطباعت کتب، تعمیر عمارات، متفرق واقعات۔ ہر باب میں تاریخ وار قطعات/ مادّے درج ہوئے ہیں۔ شروع میں فن تاریخ گوئی سے متعلق مفصل مقدمے اور تقریظیں بھی شامل ہوئی ہیں اور آخر میں ۱۹ اشاریے دیے گئے ہیں جن میں ایک اشاریہ مادہ ہائے تاریخ کا اور ایک تاریخ وار واقعات کا ہے۔ یہ کتاب ادارۂ معارف نوشاہیہ، اسلام آباد نے مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد اور دارالاسلام لاہور کے اشتراک سے جنوری ۲۰۱۸ء میں شائع کی ہے، ۶۳ + ۲۶۵ صفحات۔

بنگال میں عربی وفارسی کتبات: آثاریات یعنی قدیم عمارات کی تاریخ، فن تعمیر اور ان پر نصب کتبات پر لکھنا ایک مشکل موضوع ہے۔ اس کی وجہ آثار شناس یا باستان شناس لوگوں کی کمیابی ہے۔ جو لوگ اس میدان میں نامور ہیں وہ زیادہ تر اپنے نتائج تحقیق انگریزی زبان میں پیش کرتے ہیں۔ اردو زبان کا دامن آثاریات

ادارۂ معارف نوشاہیہ، اسلام آباد۔

کے معاملے میں تہی ہے۔ایک عرصے کے بعد اس موضوع پر اردو میں ایک تحقیقی کتاب سامنے آئی ہے جس کے کوائف حسب ذیل ہیں:

مشرق میں اسلامی تہذیب کے آثار: بنگال میں عربی و فارسی کتبات، تحقیق و تالیف: پروفیسر ڈاکٹر محمد یوسف صدیق، اردو ترجمہ: مریم احمد و سید قاسم محمود، ناشر: نیشنل یونیورسٹی آف سائنسز اینڈ ٹیکنالوجی، اسلام آباد، ۲۰۱۳ء، ۶۵۱ صفحات مع تصاویر کتبات۔

مصنف کا تعلق بنگلا دیش سے ہے اور ان کی مادری زبان بنگالی ہے، لیکن عربی زبان میں مہارت رکھنے کی بنا پر اصلاً انھوں نے یہ کتاب عربی میں لکھی تھی (**رحلة مع النقوش الكتابية الاسلامية فی بلاد البنغال: دراسة تاريخية حضارية**، ناشر دار الفکر، دمشق، ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء) جس کا ایک انگریزی اور فارسی ترجمہ (لیلی موسی زادہ: **کتیبه های اسلامی در سرزمین بنگال**، تہران، کلک شیرین، ۲۰۰۵ء) بھی ہو چکا ہے اور ہمارے پیش نظر اس کا اردو ترجمہ ہے جسے اس کے انگریزی ترجمے سے اردو میں منتقل کیا گیا ہے۔اس کتاب میں متحدہ بنگال کے چار سو سے زائد عربی اور فارسی کتبات جن کا تعلق بلحاظ تاریخ ۶۰۱ھ اور ۱۱۱۷ھ کے درمیانی عرصے سے ہے، دیگر مباحث کے ساتھ پیش کیے گئے ہیں۔کتاب کے چیدہ چیدہ ابواب یہ ہیں:

کتبہ شناسی اسلامی تاریخ و تہذیب کا اہم ماخذ؛ بنگال میں اسلام کا فروغ اور نئے نظام کی تشکیل؛ مسلم بنگال کے کتبات میں فن خطاطی کی جمالیاتی سحر انگیزی؛ بنگال کے اسلامی کتبات کی روحانی جہت؛ بنگال کے اسلامی کتبات میں القاب کا تنوع؛ ابتدائی اسلامی کتبات؛ عہد سلطنت کے کتبات؛ عہد متاخر کے اسلامی کتبات؛ غیر مورخہ اور متفرق کتبات۔

اہل فن جانتے ہیں کہ مرور زمانہ سے عمارتوں پر نصب کتبات شکست و ریخت کا شکار ہو جاتے ہیں، ان کی عبارتیں مٹ جاتی ہیں۔نیز یہ مختلف النوع خطوط میں ہوتے ہیں جن میں سے بعض رسم الخط تو اب بالکل متروک ہو چکے ہیں۔لہٰذا کتبات کو درست پڑھنا غیر معمولی لیاقت اور ممارست کا متقاضی ہوتا ہے جس کے پیچھے تاریخی و لسانی شعور اور خطوط کی شناخت اور ادراک کا ہونا بھی ضروری ہے۔زیر بحث کتاب کے فاضل مصنف نے نہایت دیدہ ریزی سے بنگال کے خرابوں (بالخصوص گوڑ) اور دنیا بھر کے عجائب گھروں میں جا کر ان کتبات کو دیکھا اور پڑھا اور ان کی تصاویر بنائی ہیں۔اس موضوع پر پہلے سے موجود مآخذ سے بھی مواد لیا ہے اور بڑے سلیقے سے اس کتاب میں پیش کیا ہے۔جس کی داد نہ دینا ناانصافی ہوگا۔

مجھے اصل عربی کتاب اور اس کے انگریزی اور فارسی تراجم دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا لیکن اس کے اردو ترجمے کی اشاعت کے دوران کتبات نقل کرنے اور ان کا اردو ترجمہ درج کرنے میں کچھ تسامحات واقع ہوئے

ہیں۔کاش یہ اتنی اہم کتاب اس سے پاک ہوتی۔عربی کتبات کے بارے میں کچھ کہہ نہیں سکتا لیکن فارسی کتبات جس طرح اردو اشاعت میں نقل ہوئے ہیں وہ اشکالات سے خالی نہیں ہیں۔میں صرف چند تسامحات کی طرف اشارہ کروں گا:

صفحات	غلط	درست
xxi	کاراست	کاراستست
xxi	بناشد	نباشد
xxi	کہ زعدل اوز گرگ نگشتہ برہ ہان	کزعدل اوز گرگ نگشتہ برہ نہان
۴۸۱	حلیہ	حیلہ
۴۹۰	بیانید	بیابند
۵۵۶	برزمین	برزمینی
۵۵۶	سجدہ	سجدہ گہ
۵۶۹	دروقت شہ داد گر پانہا کرد؛	اس مصرع میں پانہا بالکل بے معنی ہے۔
۵۶۹	بیرون درگاہ کسی نبوت قسم حضرت اسد؛	یہ فارسی عبارت بالکل مبہم ہے۔معلوم نہیں اصل میں کیا تھی اور مترجمین نے کیا لکھی؟
۵۷۲	کتبہ نمبر ۳۵۱ کی پوری فارسی عبارت مہمل نقل ہوئی ہے۔	چونکہ اس کے ساتھ کتبے کی تصویر نہیں دی گئی اس لیے میرے لیے درست قرأت لکھنا ممکن نہیں ہے۔
۵۷۸	سال تعمیر این بفلک	سال تعمیر این بنا بفلک
۵۸۰	سنۃ ۱۱۱۷	سنۃ ۱۱۱۷

چونکہ منظوم کتبات میں مادہ ہائے تاریخ کا التزام بھی ہوتا ہے،مصنف کو چاہیے تھا کتبات نقل کرتے وقت مادہ تاریخ کو واوین کے اندر رکھتے تا کہ مادہ واضح ہوجاتا۔مثلاً ص ۵۲۴ کتبہ ۳۰۱ پر حسینی دالان ڈھاکہ (سال تعمیر ۱۰۵۲ھ) کی تعمیر کے قطعے کا آخری شعر یوں نقل ہوا ہے:

حق ولی کہ پاک پنجتن گفت این تاریخ دالان حسینی نگار

اس شعر میں دو اشکال ہیں،اولاً مصرع اولیٰ درست نقل نہیں ہوا،ثانیاً مصرع ثانی میں مادّہ واضح نہیں ہے جو ۱۰۵۲ھ سے مطابقت رکھتا ہو۔نیز لفظ ”نگار“ بھی محل نظر ہے۔مصنف نے یہ کتبہ بلاتبصرہ کتاب میں شامل کیا ہے،حالانکہ عام طور پر وہ کتبات کی تاریخ پر کچھ بحث کرتے ہیں۔حکیم حبیب الرحمٰن آخون زادہ (۱۸۸۰۔۱۹۴۷ء) نے حسینی دالان کا یہ کتبہ نقل کیا ہے اور اس پر مفصل بحث کرتے ہوئے اسے جعلی قرار دیا

ہے (آسودگان ڈھاکہ، امدادیہ لائبریری، ڈھاکہ، ۱۹۴۶ء، ص ۱۴۲-۱۴۶)۔ یاد رہے کہ پروفیسر صدیق کے مآخذ میں آسودگان ڈھاکہ شامل نہیں ہے جس میں ڈھاکہ میں مدفون کئی بزرگوں کے مقابر اور ان سے متصل مساجد کے کتبے نقل ہوئے ہیں۔ حسینی دالان کی تعمیر پر الگ سے میرزا محمود شیرازی مخمور (وفات: ۱۹۰۰ء) کی ایک فارسی تصنیف تاریخ حسینی دالان کا غیر مطبوعہ مسودہ حکیم صاحب کے پاس موجود تھا (حکیم حبیب الرحمٰن، ثلاثہ غسالہ، ترتیب و تعلیقات عارف نوشاہی، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۱۲۷-۱۲۸)۔ ڈھاکہ کے وارڈ نمبر ۶ میں واقع ایک چوک میں کچھ دکانیں نواب مرشد قلی خان ثانی نے ۱۱۱۴ھ میں بنوائی تھیں اور وہاں فارسی کتبہ لگوایا تھا۔ اس کتبے کی نقل حکیم حبیب الرحمٰن نے درج کی ہے (آسودگان ڈھاکہ، ص ۶۱)۔ پروفیسر صدیق کی کتاب میں اس کتبے کا ذکر نہیں ملتا۔

کتبہ نقل کرنے کا معیاری طریقہ یہ ہے کہ سطر بہ سطر نقل کیا جائے اور ساتھ سطر کا حوالہ دیا جائے۔ زیر نظر اشاعت میں بالعموم اس کا لحاظ رکھا گیا ہے لیکن بعض مقامات پر نہ صرف اسے نظر انداز کیا گیا ہے بلکہ منظوم کتبے کے مصرعوں کو اس طرح خلط ملط کر کے نقل کیا گیا ہے کہ وہ موزوں مصرعے تو کجا، بامعنی عبارت کے دائرے سے بھی خارج ہو گئے ہیں۔ اس کی ایک مثال ص ۵۲۳ پر کتبہ نمبر ۳۰۰ ہے۔ اسے جس بری طرح سے نقل کیا گیا ہے اس سے گمان ہوتا ہے کہ پاکستان میں اس کتاب کی کتابت اور اشاعت کی نگرانی کس قدر تساہل سے کی گئی ہے۔

کتاب کے مصنف جو اپنی کتاب کے اردو ترجمے کے وقت پاکستان ہی میں تھے، کاش طباعت سے پہلے کسی فارسی دان سے کتبات کی قرأت کی صحت کا اطمینان کر لیتے۔

سوانح ڈاکٹر نبی بخش بلوچ: ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ (۱۹۱۹-۲۰۱۱ء)، پاکستان کے نامور ماہر تعلیم، منتظم، ماہر السنہ شرقیہ اور محقق و مصنف گذرے ہیں۔ وہ سندھ کے قریہ جعفر خان میں پیدا ہوئے اور اعلیٰ تعلیم بہاء الدین کالج جونا گڑھ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور کولمبیا یونیورسٹی نیویارک میں پائی۔ وہ اپنی صلاحیتوں اور فضائل کی بنا پر پاکستانی جامعات اور علمی اداروں میں اعلیٰ ترین عہدوں پر فائز رہے۔ ان کی علمی شخصیت کی تشکیل و تکوین میں قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی، علامہ عبدالعزیز میمن اور علامہ آئی آئی قاضی کا بہت کردار رہا ہے۔ ڈاکٹر بلوچ نے انتظامی امور نمٹانے کے ساتھ ساتھ عربی، فارسی، اردو اور سندھی میں کئی علمی کارنامے یادگار چھوڑے ہیں۔ عربی متون میں دیوان ابی عطاء سندھی، غرۃ الزیجات ابوریحان بیرونی اور فارسی متون میں فتح نامۂ سندھ، حاصل النہج، بیگلار نامہ، تاریخ طاہری، دیوان غلام، لطائف لطیفی، لُبّ تاریخ سندھ، باقیات از احوال کلہوڑا، تاریخ بلوچی، جامع الکلام فی منافع الانام کی تدوین اور تکملۃ التکملۃ کی تالیف قابل ذکر ہیں۔ سندھی زبان، ادب اور ثقافت کے لیے ان کی خدمات وسیع تر ہیں۔ سندھ کے صوفی اور شاعر شاہ عبداللطیف

بھٹائی کے ''شاہ جو رسالو'' کی تدوین و تکمیل ان کا منفرد کارنامہ ہے۔اس وسیع الجہات شخصیت کے حالات زندگی، علمی وانتظامی مشاغل،تصانیف ومرتبات اور افکار پر ہمارے دوست محمد راشد شیخ صاحب نے ایک جامع کتاب سوانح ڈاکٹر نبی بخش بلوچ تصنیف کی ہے(ناشر: ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ ریسرچ فاونڈیشن،حیدرآباد سندھ، ۲۰۱۷ء، ۷۵۲ صفحات)۔کتاب ۱۲۵ابواب پر مشتمل ہے اور اس میں صاحب سوانح کے کسی پہلو کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔تاہم مصنف کی ایک دو باتوں پر تبصرہ پیش ہے:

ص ۴۹۰: عوفی کے تذکرہ لباب الالباب کی اشاعت تہران ۱۹۸۴ء کو سعید نفیسی کی تحقیق بتایا گیا ہے۔یہ اطلاع نامکمل ہے۔یہ تذکرہ بنیادی طور پر ایڈورڈ براون کی سعی و اہتمام سے لائیڈن سے شائع ہوا تھا۔اس کا عکس تہران سے شائع ہوا جس پر محمد قزوینی اور سعید نفیسی کا مقدمہ اور تعلیقات تھے۔دوسرے الفاظ میں یہ صرف سعید نفیسی کی تحقیق نہیں ہے۔

ص ۴۹۰: چچ نامہ کو جس اصل عربی کتاب کا ترجمہ بتایا گیا ہے اس کا نام ''فتح نامۂ سندھ'' لکھا گیا ہے اس نام کی ہیئت ترکیبی سراسر فارسی ہے اور لفظ ''نامہ'' بھی خالصتاً فارسی ہے۔میرا نہیں خیال کہ کسی عربی کتاب کے نام کی ترکیب اس طرح فارسی نما بنائی گئی ہو۔دوسرا جس دور کی یہ کتاب ہے اس دور میں عربی کتب کے نام رکھنے کا اسلوب اور ہے۔

صفحات ۴۹۱-۴۹۰ پر چچ نامہ کے بارے میں بعض اطلاعات دوبار درج ہو گئی ہیں۔

ارمغان امام ربانی (جلد ششم): مقالات کے مجموعے کا ایک کتابی سلسلہ ہے جو وقفے وقفے سے شائع ہوتا رہتا ہے۔اس مجموعے کی خصوصیت، جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی (۱۵۶۴-۱۶۲۴ء) اور سلسلۂ مجددیہ سے متعلق مقالات کی اشاعت ہے، بالخصوص وہ مقالات جو ہر سال پاکستان میں منعقد ہونے والی سالانہ ''امام ربانی مجدد الف ثانی قومی کانفرنس'' میں پیش کیے جاتے ہیں۔ ارمغان کی اب تک آٹھ جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔اس وقت اس کی جلد ششم پیش نظر ہے(ترتیب وتدوین: ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس، امام ربانی پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۶ء، ۵۳۶ صفحات) جس میں چھتیسویں سالانہ کانفرنس کے مقالات کے علاوہ ''گوشۂ تحقیقات محمد اقبال مجددی'' بھی ہے۔اس گوشے میں ان کے ۹ مقالات شائع ہوئے ہیں۔اس میں ۵ مقالات وہ ہیں جو انھوں نے مکتوبات امام ربانی کے اس ایڈیشن کے لیے لکھے تھے جو راقم السطور کے اہتمام سے تیار ہوا ہے اور عن قریب استنبول سے اشاعت پذیر ہوگا۔البتہ ارمغان میں شائع شدہ یہ مقالات اصل زبان اردو میں ہیں جب کہ مکتوبات کے زیر طبع ایڈیشن میں، میں نے انھیں فارسی میں ترجمہ کرکے پیش کیا ہے۔یہ مقالات حضرت مجدد کے دفاع اور ردّ میں لکھی جانے والی کتب کی فہرست، جامعین مکتوبات امام ربانی کے حالات، مکتوبات کے مخطوطات اور مکتوبات امام ربانی کے مکتوب الیہم کے حالات پر مبنی ہیں۔

ادبیات

قطعہ نعتیہ

جناب ابواللیث صدیقی*

آدم ہنوز مرحلۂ آب و گل میں تھا قائم تھا اک رسولؐ ضمیر وجود میں
گردش میں آسمان ہزاروں برس رہے تب آسکا ہے آپؐ کا جوہر نمود میں
باقی ابد تلک جو نبوت ہے آپؐ کی قائم ہوا اک اور تسلسل وجود میں
اللہ اور اس کے فرشتوں کا ساتھ ہے(۱) کیسا شرف ملا ہے صلوٰۃ و درود میں
سودا کیا ہے دولت کونین کے عوض ہم نے حضورؐ آپؐ کا سودائے سود میں
یارب عطا ہو نورِ محمدؐ کے فیض سے تنویر قلب و روح رکوع و سجود میں

غزل

جناب جمیل مانوی**

زمانہ خیر کے چشموں سے آشنا ہے کہیں بھٹک رہا ہے کہیں اور راستہ ہے کہیں
اٹھے ہوئے ہیں دعاؤں کو اک کریم کے ہاتھ زمیں پہ معرکہ ، خیر و شر بپا ہے کہیں
جبیں ہے خاک پہ دل عرش پہ فضا مبہوت نیاز و ناز سے یوں عرض مدعا ہے کہیں
تمہارے در پہ یہ تسکیں تو دل کو حاصل ہے زمیں پہ اہلِ محبت کا آسرا ہے کہیں
یہ موتی ایک لڑی میں پرو دیے کسی نے دلوں کو جوڑنے والی کوئی صدا ہے کہیں
نہ رنگ و نسل کی آویزشیں نہ فخر و غرور نہ عقل و دل کے توازن کا مسئلہ ہے کہیں
نہیں نصیب میں دنیا کی نعمتیں نہ سہی یقیں تو ہے کہ غریبوں کا بھی خدا ہے کہیں
سلیقہ چاہیے اظہارِ مدعا کے لیے زباں پہ شوخیِ اظہار بھی گلا ہے کہیں
اداس کیوں ہے زمانہ کی چیرہ دستی سے جمیلؔ تیرا بھی اک درد آشنا ہے کہیں

---

(۱) تلمیح بہ آیت قرآنی: اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ....الخ۔

* ۲/۲۷۳ ۳۳، پورہ منوہر داس، اکبر پور، الہ آباد، ۲۰۰۱۱۶۔ Mob: 7376795018

** ۴۳۰ گریس اکیڈمی، نور بستی، سہارن پور۔

مطبوعات جدیدہ

نقش ہستی: ڈاکٹر سید احتشام احمد ندوی، متوسط تقطیع، کاغذ، طباعت، عمدہ، مجلد،
صفحات ۲۹۶، قیمت ۱۵۰/روپے، پتہ: مکتبہ جامعہ، شمشاد مارکیٹ، علی گڑھ-۲۰۲۰۰۲۔

نقش ہستی کے پردے میں ایک اور حکایت ہستی جس کے سنانے والے سے یہ شکوہ نہیں کیا جاسکتا کہ یہ حکایت، درمیان سے سنائی گئی، وجہ ہے کہ یہاں ابتداء کی خبر بھی ہے اور انتہا بھی پیش نظر ہے۔ آپ بیتیوں کا ایک الگ رس اور مزہ ہے۔ ضروری نہیں کہ آپ بیتی کی یہ محفل کہاں اور کس طرح سجتی ہے، زیر نظر کتاب میں حکایت بیان کرنے یا زندگی کے مٹتے، مدھم ہوتے اور کہیں کہیں اپنے رنگ و روغن کو برقرار رکھتے ہوئے کچھ نقوش ہیں جو آخر میں کثرت سے وحدت میں منتقل ہو کر نقش ہستی کے عنوان میں بدل جاتے ہیں۔ آپ بیتی سنانے والے کی نمایاں شناخت، ایک معلم کی ہے اس لیے یہ پہلو قدرتاً نمایاں ہے، تروپتی، کالی کٹ یونیورسٹی، نائیجریا اور پھر مسلم یونیورسٹی سب کے رنگ الگ اس لیے ان کے بیان کے انداز بھی الگ، پڑھنے والے بلکہ سبق سیکھنے والے کے لیے ہر نقش، اپنی تاثیر لیے ہوئے، صاحب کتاب کی سادگی، معصومیت کو چھوتا ہوا بھولا پن، کہیں مجذوبانہ، کہیں سرشارانہ اور کہیں بے باکانہ طور طریق اچھا لگتا ہے۔ زندگی کا سفر چہروں سے عبارت ہے، اس آپ بیتی میں بھی چہروں کی کمی نہیں، ندوہ، جامعہ ملیہ اور پھر ایک دنیا ہے جہاں یہ چہرے زندگی کی کائنات میں روشن آیات و علامات کی طرح ظاہر ہوتے رہتے ہیں، پڑھنے والوں کے لیے اصل افادیت اسی میں ہے، ورنہ بچپن، گھر اور دوست احباب، بیوی بچوں کی یادیں تو شاید ہر انسان کے لیے ان معنوں میں یکساں ہیں کہ ان کی تلخی و شیرینی ان کی ٹیس اور کسک آخری سانس تک برقرار رہتی ہے۔ اس آپ بیتی میں حسن و نور کے الفاظ کی تکرار ہے اور یہ کسی بھی زندگی کی سرخ روئی کا اشاریہ بھی ہے، بڑے بڑے ناموں میں سرسید کے لیے شیخ الکل اور جامع المجدد دین اور علی گڑھ کے لیے گلستان سعادت جیسے الفاظ بہت کچھ کہہ جاتے ہیں، البتہ ایک جگہ گھاٹ گھاٹ کا پانی پینا، اس محاورہ کا استعمال کچھ مناسب معلوم نہیں ہوا، نقش ہستی کے بعد بزم ہستی اور گلشن ہستی کا انتظار ہے تاکہ یہ حکایت ہستی پوری ہو سکے، کوئی فرق نہیں آتا کہ یہ صیغہ واحد غائب کے ذریعہ ہے یا وہی عام واحد متکلم کے ذریعہ۔

ع۔ص

رسید کتب موصولہ

آسان تاریخ ادب عربی: مولانا بدرالدین الحافظ قاسمی، کتب خانہ عزیزیہ، اردو بازار جامع مسجد، دہلی۔

قیمت:۲۰۰/روپے

ابال خاطر (مزاحیہ کلام): گہر اعظمی، جہان حمد پبلی کیشنز کراچی، پاکستان۔ قیمت:۴۰۰/روپے

امام بخاری حیات و کارنامے: مولانا تقی الدین ندوی، جامعہ اسلامیہ مظفر پور، اعظم گڑھ۔ قیمت:۱۵۰/روپے

ان کو میم ٹو ہولی پرافٹ: ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، مترجم محمود احمد کریمی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹-۳۱۳، وکیل اسٹریٹ، کوچہ پنڈت، لال کنواں، دہلی-۶۔ قیمت:۲۰۰/روپے

برہان پور کی اردو شاعری پر دبستان لکھنؤ کے اثرات: ڈاکٹر عارف انصاری، رشید بک ڈپو، منڈی بازار، برہان پور (ایم پی)۔ قیمت:۲۵۰/روپے

تعلیم و تربیت: ڈاکٹر طارق ایوبی، الحسنات بک ڈپو، دہلی۔ قیمت:۱۰۰/روپے

جامعہ اسلامیہ، تعلیم اور ترقی کے ۲۸ سال: محمد رافع ندوی، جامعہ اسلامیہ مظفر پور، اعظم گڑھ۔

قیمت:۲۰۰/روپے

جزیرۃ العرب (تاریخیاً، ثقافیاً و جغرافیاً): الشیخ محمد الرابع الحسنی الندوی، ترجمہ محمد فرمان الندوی، المجمع الاسلامی العلمی، لکھنؤ۔ قیمت:۲۰۰/روپے

جمع و تدوین قرآن کریم۔ ایک مطالعہ: ڈاکٹر کمال اللہ بختیاری ندوی، ندوی بک ڈپو، دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔

قیمت:۵۰/روپے

چہرہ بہ چہرہ روبہ رو (خاکے): اطہر پرویز، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ۔ قیمت:۳۰۰/روپے

خطبات سیرت: ڈاکٹر سید سلمان ندوی، علامہ سید سلیمان ندوی تحقیقات اسلامی لکھنؤ۔ قیمت:۲۰۰/روپے

سید سلیمان ندوی کا ترک وطن۔ اسباب و حقائق: ڈاکٹر سید ارشد اسلم، تاک بک ڈپو، اقرا مسجد، مین روڈ، رانچی۔

قیمت:۲۵۰/روپے

شواہد: ڈاکٹر راہی فدائی، ۱۶۱۶، 4th کراس، شیوارامیا لے آؤٹ، کلیان نگر پوسٹ، بنگلور۔

قیمت:۱۲۷/روپے

شین مظفر پوری سے آشنائی: پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی، حسامی بک ڈپو، حیدر آباد۔ قیمت:۵۰/روپے

مفردات القرآن: علامہ سید سلیمان ندویؒ، جمع و ترتیب محمد فرمان ندوی، المجمع الاسلامی العلمی، لکھنؤ۔ قیمت درج نہیں

تصانیف علامہ شبلی نعمانیؒ

کتاب	قیمت
سیرۃ النبیؐ جلد اول و دوم (یادگار ایڈیشن)	2000/-
سیرۃ النبیؐ	
(خاص ایڈیشن مکمل سیٹ ۷ جلدیں)	2200/-
علامہ شبلی و سید سلیمان ندوی	
مقدمہ سیرۃ النبیؐ	30/-
الفاروق	300/-
الغزالی	200/-
المامون	175/-
سیرۃ النعمان	300/-
سوانح مولانا روم	220/-
شعر العجم اول	300/-
شعر العجم دوم	150/-
شعر العجم سوم	125/-
شعر العجم چہارم	200/-
شعر العجم پنجم	150/-
الانتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی	350/-
(محقق ایڈیشن) تحقیق: ڈاکٹر محمد اجمل ایوب اصلاحی	
الکلام	250/-
علم الکلام	200/-

کتاب	قیمت
موازنہ انیس و دبیر	250/-
اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر	100/-
سفرنامہ روم و مصر و شام	200/-
کلیات شبلی (اردو)	220/-
کلیات شبلی (فارسی)	45/-
مقالات شبلی اول (مذہبی)	170/-
مرتبہ: سید سلیمان ندوی	
مقالات شبلی دوم (ادبی) ״	70/-
مقالات شبلی سوم (تعلیمی) ״	80/-
مقالات شبلی چہارم (تنقیدی) ״	200/-
مقالات شبلی پنجم (سوانحی) ״	150/-
مقالات شبلی ششم (تاریخی) ״	90/-
مقالات شبلی ہفتم (فلسفیانہ) ״	100/-
مقالات شبلی ہشتم (قومی و اخباری) ״	110/-
خطبات شبلی مرتبہ: عبدالسلام ندوی	80/-
انتخابات شبلی مرتبہ: سید سلیمان ندوی	45/-
مکاتیب شبلی اول ״	150/-
مکاتیب شبلی دوم ״	190/-
اسلام اور مستشرقین چہارم (علامہ شبلی کے مقالات)	150/-

ISSN 0974 - 7346 Ma'arif (Urdu) -Print

June 2018 Vol - 201 (6)

RNI. 13667/57 MA'ARIF AZM/NP-43/019

Monthly Journal of

Darul Musannefin Shibli Academy

P.O.Box No: 19, Shibli Road, Azamgarh, 276001 U.P. (India)

شبلی صدی مطبوعات

	کتاب	مصنف	قیمت
۱۔	سیرۃ النبیؐ جلد اول و دوم (یادگار ایڈیشن)	علامہ شبلی نعمانی	2000/-
۲۔	شبلی کی آپ بیتی	ڈاکٹر خالد ندیم	325/-
۳۔	دار المصنّفین کے سو سال	کلیم صفات اصلاحی	350/-
۴۔	شذرات شبلی (الندوہ کے شذرات)	مرتبہ: ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	220/-
۵۔	شذرات سر سید	پروفیسر اصغر عباس	500/-
۶۔	محمد شبلی لائف اینڈ کنٹری بیوشنس	ڈاکٹر جاوید علی خاں	230/-
۷۔	حیات شبلی	علامہ سید سلیمان ندوی	650/-
۸۔	مولانا الطاف حسین حالی کی یاد میں	اشتیاق احمد ظلی	250/-
۹۔	حیات سعدی	تصنیف: خواجہ الطاف حسین حالی	400/-
۱۰۔	شبلی شناسی کے اولین نقوش	مرتبہ: ظفر احمد صدیقی	600/-
۱۱۔	شبلی ایک دبستان	آفتاب احمد صدیقی	250/-
۱۲۔	متاع رفتگاں	شاہ معین الدین احمد ندوی	200/-
۱۳۔	یہود اور قرآن مجید	مولانا ضیاء الدین اصلاحی	150/-
۱۴۔	رسائل شبلی	علامہ شبلی نعمانی	300/-
۱۵۔	اردو ترجمہ مکاتیب شبلی	ڈاکٹر خالد ندیم	110/-
۱۶۔	تاریخ بدء الاسلام (علامہ شبلی نعمانی)	مرتبہ: ڈاکٹر محمد اجمل ایوب اصلاحی	300/-
۱۷۔	مراسلات شبلی	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	150/-
۱۸۔	مطالعات شبلی	مرتبہ: اشتیاق احمد ظلی	550/-
۱۹۔	الفاروق (ہندی)	علامہ شبلی نعمانی	450/-
۲۰۔	الندوہ (جلد ۱۔۶)		3335/-
۲۱۔	الندوہ (جلد ۷۔۹)		زیر طبع